لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین
लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन
An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:124 اپریل 2023ء
QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

دُعائے سحر

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ط

میں ماہِ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔

دُعائے اِفطار

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ
تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ ط

اے اللہ! بے شک میں نے تیرے لیئے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان لایا
اور تجھ ہی پر توکّل کیا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔

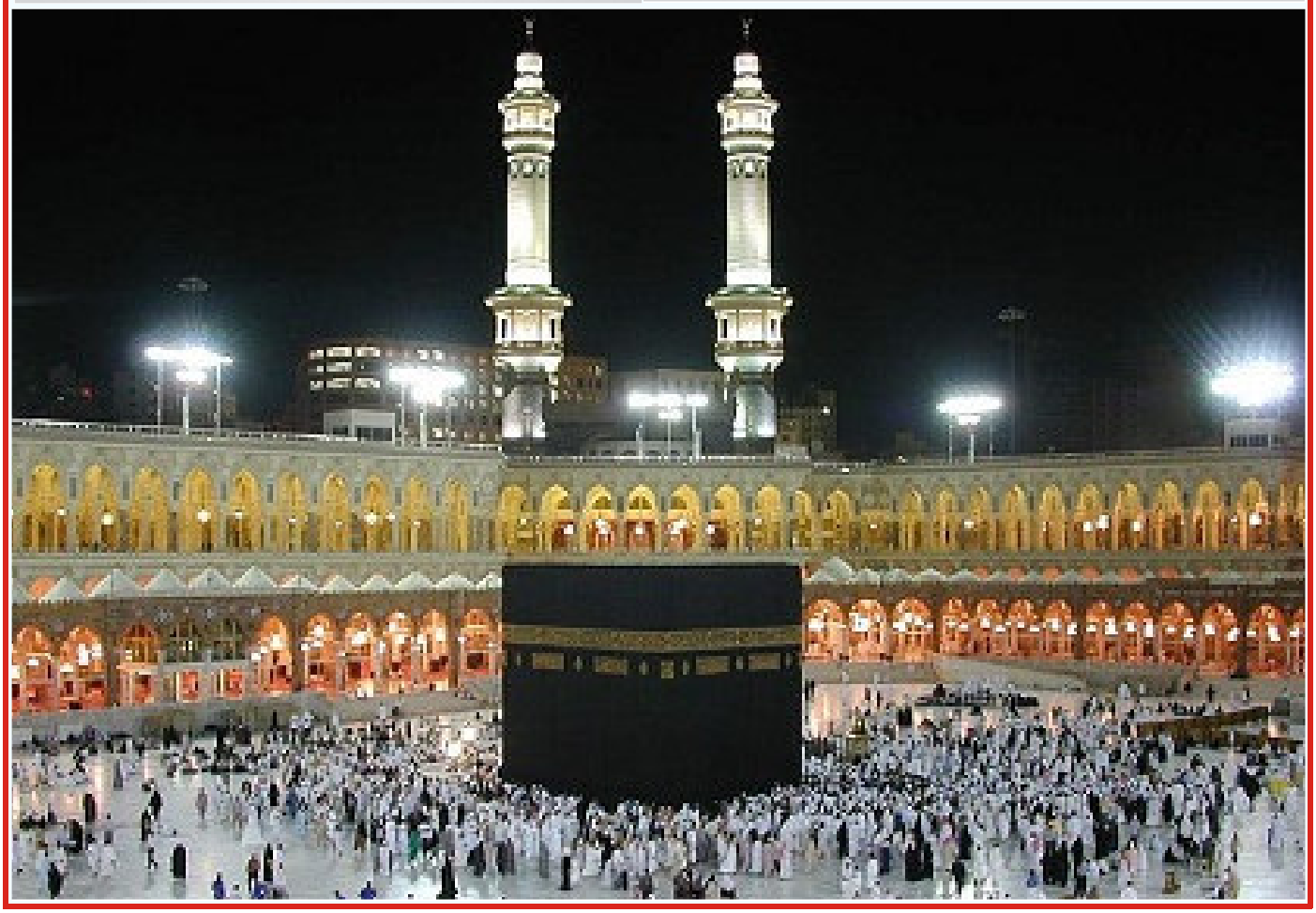

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم
آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ '' قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

غزلیات: ظفر اقبال ظفر، ذکی طارق بارہ بنکوی، طاہرہ رباب جرمنی، فرزانہ صفدر قطر، احمد منیب، ڈاکٹر ارشاد خان، منیر باجوہ، جیا قریشی، طفیل عامر، مظفر اعظمی، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، طفیل عامر، آفتاب شاہ، ندا سرگودھوی، طاہر عثمان ملک، کلیم اللہ کلیم، ڈاکٹر ظفر جازب، عشرت معین سیما، شفیق مراد، شاہین برلاس امریکہ، علیم طاہر ممبئی، حاجرہ نور زریاب، ثانیہ جمال بہار، ناظم قادری، ڈاکٹر محسن علی آرزو، عطیہ نور انڈیا، حسان عارفی ریاض، خورشید الحسن نیر، خورشید اکبر پٹنہ، افتخار راغب قطر، سعید نظر کویت، محمد فہد پاشا کولکتہ، قمر سرور احمد نگر، محمد فرقان فیضی، معراج الدین تشنہ بہار، ریحانہ شاہین، خرم سہیل امریکہ، معظم عزم بہار، عاصی صحرائی، اشرف یعقوبی کولکتہ، ساجد اختر کولکتہ، عبدالشکور شاکر، احمد فراز، سید طاہر احمد زاہد۔		4 تا 15
ڈاکٹر فرزانہ فرحت صاحبہ	رانا عبدالرزاق خان لندن	15
امریکہ میں ترک سفارت خانے کو 30 ملین دینے والا پاکستانی آنجہانی ہوگیا	مبشر شہزاد گلاسگو	16
پاکستان اور بھارت کے جرمنی کے ساتھ سفارتی تعلقات	منور علی شاہد	17
آفتاب شاہ		18
ترقی یافتہ ملک	رجل خوشاب	19
روٹی بندہ کھا جاندی اے	محمد سعید	20
جہان رنگ کراچی اور بزم علم و ادب گلاسگو	اشعر عالم عماد	21
لاہور بک فیئر اور بچوں کا ادب	غلام محی الدین ترک	22
بھاگا نہیں جا سکتا	مظہر برلاس	23
غیر صحتمند جذباتی انحصار بیمار محبت۔ کوڈیپینڈینسی	مریم زیبا۔ پی آر سی پاکستان	24
تانیثی شاعری کا معتبر حوالہ	مظفر احمد مظفر حال مقیم لندن	25
ہمارا بچپن گردشِ ایام	عاصی صحرائی	27
جستہ جستہ	عطاء القدر طاہر	28
پارسائے	رجل خوشاب	28
دوستی کا معیار	مبشر شہزاد گلاسگو	32
جبیں نازاں بارہ قباؤں کی سہیلی	عذرا پروین	32
رنلڈ اور حالی کے تصورِ معاشرہ اور ادب کا تقابلی جائزہ	آفتاب شاہ	36
پریم وار برٹنی کی شاعری کی معنویت و اہمیت	سراج زیبائی	39
خاموش صدائیں۔ ایک مختصر جائزہ	ڈاکٹر محمد زاہد	41

اعلان:: ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن
HSBC London UK,
A/C 04726979 Sort Code 400500
(M) 0044-788-304637, (R) 02086482560

غزلیات

نعت شریف

ظفر اقبال ظفر

چہرہ انور کے آگے سب اُجالے مسترد
یہ منور چاند سورج اور ستارے مسترد

کلمہ حق کی ضیاء عالم میں پھیلی اس طرح
کفر کے ظلمت کدے سارے کے سارے مسترد

آپ ہیں نور مجسم مہ جبیں ماہ مبیں
آپ سے سب روشنی کے استعارے مسترد

جسم اطہر کے پسینے کی مہک کے سامنے
گلشنِ عالم کے ہر گل اور لالے مسترد

یہ لکھا قرآن میں بھی ہے اور نبیؐ نے بھی کہا
جن سے ایمان مسترد ہو وہ سہارے مسترد

جس نے دیکھا ہے مدینے کے گل وگلزار کو
ہوگئے اس کی نظر میں سب نظارے مسترد

گونج اُٹھی اللہ اکبر کی صدا کعبے میں جب
یک بیک بت ہوگئے کعبے کے سارے مسترد

آپ کا پیغام آخر، آپ ختم المرسلیں
آ گیا قرآن تو سارے صحیفے مسترد

ذکر جس میں مصطفیٰ کا اور صحابہ کا نہ ہو
صفحہ تاریخ کے ایسے حوالے مسترد

دے دیا اسلام نے درجہ برابر کا ظفرؔ
ہوگئے رنگ ونسب کے سارے دعوے مسترد

نعت پاک

ذکی طارق بارہ بنکوی

سنو، محمد ہے نام ان کا
پڑھو قصیدہ مدام ان کا

وہ دیکھو نیزے پہ ضوفگن ہے
حُسین ماہِ تمام ان کا

وہ آقا جن کا لقب ہے رحمت
چلو کہ ہے فیض عام ان کا

مجھے ہے درکار زندگی میں
سہارا ہر ایک گام ان کا

بدلتا ہے تاج والوں کے دن
قسم خدا کی غلام ان کا

وہ کہکشاں جگمگاتی ہے جو
حقیر سا ہے مقام ان کا

ہم ان کی تعظیم کیا کریں گے
فلک پہ ہے احترام ان کا

اے تشنہ کامی بروزِ محشر
چھلک رہا ہوگا جام ان کا

نبیؐ اُمّی کی یہ فضیلت
درود ان کا سلام ان کا

نعتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نہ ہوں کیوں سب سے یکتا میرے آقا
کہ ہیں رحمت سراپا میرے آقا

رسولوں اور نبیوں میں ہیں سب سے
معظم اور اعلیٰ میرے آقا

بہت مشکل ہے مانا روزِ محشر
کریں گے پار بیڑا میرے آقا

یہ جانا میں نے لولاکَ لما سے
ترا ہونا ہیں دنیا میرے آقا

ذرا دیکھو کیا ان کا ہوسکا میں
مجھے کہتے تھے اپنا میرے آقا

مرے بیمار ایماں کو شفا دی
غضب کے ہیں مسیحا میرے آقا

مری ہی فکر میں رہتے تھے ہر دم
تھے کرتے پیار کتنا میرے آقا

معافی دیدی جانی دشمنوں کو
تھے کتنے رحم فرما میرے آقا

برا ہوتا مرا انجامِ محشر
نہ بنتے جو سہارا میرے آقا

میں ہوتا آج کیا، سوچو جو ہوتے
مری جانِ تمنا میرے آقا

بہ شانِ رحمۃ اللّعالمین
ہیں کل خلقت کے ملجا میرے آقا

طاہرہ رباب جرمنی

مزاج دشت میں جشن گلاب ہو نہ سکا
ہماری فکر تمھارا نصاب ہو نہ سکا

رواں ہے قصہ یہ صدیوں سے یاس وہجر وملال
کتاب زیست کا میری وہ باب ہو نہ سکا

وہ آسمان کی باتیں یہ کیا زمیں جانے
اسے تو خود سے ہی اپنا حساب ہو نہ سکا

بغیرِ آتشِ سوزانِ شمسِ تبریزی
درونِ سینہ رومی کباب ہو نہ سکا

ہزاروں صدیوں سے ہر روح کا یقیں بنا
وہ لامکاں جو کبھی بے حجاب ہو نہ سکا
رباب سوچ پہ پہرے ہیں خود لگائے ہوئے
اسی لیئے کبھی یہ دل جناب ہو نہ سکا

***

مزاج دشت میں جشن گلاب ہو نہ سکا
ہماری فکر تمھارا نصاب ہونہ سکا
رواں ہے قصہ یہ صدیوں سے یاس و ہجر و ملال
کتاب زیست کا میری وہ باب ہو نہ سکا
وہ آسمان کی باتیں یہ کیا زمیں جانے
اس کا تو خود سے ہی اپنا حساب ہو نہ سکا
بغیرِ آتشِ سوزانِ شمسِ تبریزی
درونِ سینہ رومی کباب ہو نہ سکا
ہزاروں صدیوں سے ہر روح کا یقیں بنا
وہ لامکاں جو کبھی بے حجاب ہو نہ سکا
رباب سوچ پہ پہرے ہیں خود لگائے ہوئے
اسی لیئے کبھی یہ دل جناب ہو نہ سکا

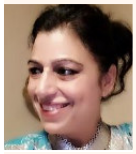

فرزانہ صفدر۔قطر

تم سے مل کر یہ ہم نے جانا ہے
تم سے ناتا کوئی پرانا ہے
دور دنیا سے خود کو کر لیں گے
تم کو اپنے قریب لانا ہے
میں فلک تک چلوں گی سنگ ترے
تجھ کو بس اک قدم بڑھانا ہے
تیرا ملنا بڑا ہی مشکل ہے
خواب لیکن بڑا سہانا ہے
یہ تو طے ہے کہ مجھ کو رونا تھا
تیرا ملنا تو اک بہانہ ہے
یہ جو میرا غرور ہے اس کو
تیری بانہوں میں ٹوٹ جانا ہے
جن سے چہرے گلاب ہوتے ہیں
ان بہاروں کو پھر سے لانا ہے
کیوں یہ فرزانہ بات سمجھی نہیں
کون رُکتا ہے جس کو جانا ہے

احمد منیب

چاند ستارے بچے
پھولوں جیسے پیارے بچے
آنکھوں کے ہیں تارے بچے
آنگن میں اُتری ہیں خوشیاں
صحن میں کھیلتے ہوں گے بچے
سورج کی ہیں تازہ کرنیں
خوشبو کے ہیں دھارے بچے
ہر سو جگ مگ کرتے جائیں
پیارے چاند ستارے بچے
وابستہ اُمیدیں ان سے
ماں کے راج دُلارے بچے
مشرق کے یا ہوں مغرب کے
بچے سب ہیں پیارے بچے
کتنے پیارے، کتنے اُجلے
کلیوں جیسے کھلتے بچے

طاہرہ رباب جرمنی

مزاج دشت میں جشن گلاب ہو نہ سکا
ہماری فکر تمھارا نصاب ہونہ سکا
رواں ہے قصہ یہ صدیوں سے یاس و ہجر و ملال
کتاب زیست کا میری وہ باب ہو نہ سکا
وہ آسمان کی باتیں یہ کیا زمیں جانے
اس کا تو خود سے ہی اپنا حساب ہو نہ سکا
بغیرِ آتشِ سوزانِ شمسِ تبریزی
درونِ سینہ رومی کباب ہو نہ سکا
ہزاروں صدیوں سے ہر روح کا یقیں بنا
وہ لامکاں جو کبھی بے حجاب ہو نہ سکا
رباب سوچ پہ پہرے ہیں خود لگائے ہوئے
اسی لیئے کبھی یہ دل جناب ہو نہ سکا

ڈاکٹر ارشاد خان

خدا نے قلم کو عطا کی ہے قوت
قلم سے نہیں بڑھ کے کوئی بھی طاقت
بنائے قلم نے ہی رومی، غزالی
یہ فردوسی، غالب اور اقبال حالی
بہت اونچا رتبہ ہے اہل قلم کا
قلم ہی سے انساں بلندی پہ پہنچا
قلم نے ہی فرمان جاری کیے ہیں
قلم نے ہی پیالے زہر کے پیے ہیں
ارسطو بھی صف میں تو سقراط بھی ہے
ان اہل قلم ہی میں بقراط بھی ہے
قلم ہی نے لکھا کتاب ہدیٰ کو
قلم ہی سے جانا ہے ہم نے خدا کو
قلم ہی سے ارشاد شہرت ملے گی
قلم ہی سے دنیا میں عزت ملے گی

جو سہارا ہوا

منیر باجوہ

دور رہنا نہ ہم سے گوارا ہوا
دل بہلنے کا نہ کوئی چارہ ہوا
ساری دنیا کے ظلموں کے ہوتے ہوئے

وہی ایک ہے جو سہارا ہوا
دل نے چاہا بسا لے دل میں اسے
میری نظروں کو جو بھی پیارا ہوا
وہ سمجھو درندوں کے منہ میں گیا
جانِ مَن جس کا تجھ سے کنارہ ہوا
ایسا دلبر نہ دنیا نے دیکھا کبھی
ہم اُس کے ہوئے وہ ہمارا ہوا
پھول دیکھو کہ کیسا مہکتا ہے وہ
وقت کانٹوں میں جو ہے گزارا ہوا
کچھ مداوا میری جان ہو پائے گا
میں ہوں دل تیرے قدموں میں ہارا ہوا
عافیت ہم نے جانی اسی میں منیر
اپنی کشتی کا وہ ہی کنارا ہوا

جیا قریشی

وہ میرے پیار کے جذبات سمجھتا کب ہے
اور قربت کے وہ ثمرات سمجھتا کب ہے
یہ اگر ضد ہے ہماری تو چلو ضد ہی سہی
وہ تحمل سے کوئی بات سمجھتا کب ہے
میں نے چاہا تھا اُسے دل میں بسالوں اپنے
وہ مگر صورتِ حالات سمجھتا کب ہے
میں سمجھتا تھا سمجھ لے گا میری بات مگر
وہ سمجھ کر بھی میری بات سمجھتا کب ہے
اسلئے دل کے سوالات سے مطلب ہی نہی
کیوں کہ وہ دل کے سوالات سمجھتا کب ہے
اِس لیے ظلم کو وہ ظلم سمجھتا ہی نہی
وہ میرے شہر کے جذبات سمجھتا کب ہے
میرا دل اک دیا ہے کہ دیا بھی ایسا
رات آئے تو اُسے رات سمجھتا کب ہے
وہ بتاتا ہے مجھے وقت کے بارے میں بہت
ہاں مگر وقت کی اوقات سمجھتا کب ہے

طفیل عامر

بات میں کچھ نہیں اثر باقی
لینی، اپنی ہے اب خبر باقی
کب پتّے پھر آئے ہیں اُس پر
بچ گیا تھا جو اک شجر باقی
کہاں منزل کہاں ٹھہرنا تھا!
عمر ساری رہا سفر باقی
چارہ کرتا رہا کہ، ہو بے باق
قرض مجھ پر رہا مگر باقی
اُس کا پوچھو تو بات اتنی ہے
لگنی رہتی ہے اب نظر باقی!
کیجئے گا معاف پھر مجھ کو
ہو مرے نام کچھ اگر باقی
کون ہو نگہ دار پھر عآمر
پیڑ پر جب نہیں ثمر باقی

منظر اعظمی

ہنس کے باتوں کو مری تُو اَن سُنی کرنے لگا
دِل لگی کو کیوں مرے دِل کی لگی کرنے لگا
نیکیوں کو چھوڑ کر آخر بدی کرنے لگا
جو نہ کرنا تھا وہی اب آدمی کرنے لگا
اُس کی فُرقت کے اندھیرے حد سے جب بڑھنے لگے
میں بھی اپنا دل جلا کر روشنی کرنے لگا
مجھ کو یہ دُنیا ہی جیسے اک قفس لگنے لگی
جب میں دِل سے اپنے رَب کی بندگی کرنے لگا
مُفلسی میں جب سے خوش دیکھا ہے اک انسان کو
میں بھی اپنی زندگی کو زندگی کرنے لگا
کیسے ممکن تھا میں اُس سے بات کرتا دیر تک
کرتے کرتے بات جب وہ بے رُخی کرنے لگا
چاندنی شَب میں اُنھیں چھت پر جو دیکھا چاند نے
چاند چُھپ کر بادلوں میں خُودکشی کرنے لگا
حُسن کو تیرے نکھارا ہے ہمارے عشق نے
اِس لیے اب حُسن پر تُو ناز بھی کرنے لگا
میں بیاں کرتا ہوں جب حالِ دلِ برباد کو
لوگ کہتے ہیں کہ منظر شاعری کرنے لگا

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

اس ہتھیلی پر مقدر کا ستارا دیکھنا
کس طرف لے جائے ہے قسمت کا دھارا دیکھنا
رات کی تاریکیوں میں بیٹھ کر تنہا کبھی
آسمانوں کا کوئی روشن ستارا دیکھنا
ناخدا کشتی تری جب جب گھرے طوفان میں
یا بھنور کو دیکھنا یا تم کنارہ دیکھنا
تم سمجھ لینا کہ اس میں بھی مرا ہی عکس ہے
آسماں کا جب کوئی روشن ستارا دیکھنا
جگمگاتا مسکراتا دیکھنا چہرہ مرا
اور پھر میرے دکھوں کا گوشوارا دیکھنا
تھام لینا ہاتھ میرا جب ہوائے تند ہو
چھوٹ بھی جاتا ہے کشتی کا سہارا دیکھنا
چل رہی تھی ہاتھ میں تھامے ہوئے میں جو دیا
بن گیا وہ آسماں کا ایک تارا دیکھنا
ہم تمہیں اپنا بنا کر بھی نہ اپنا کہہ سکے

حوصلہ محسوس کرنا دل ہمارا دیکھنا
خواب میں بھی ہم کو اس آیا نہ اک پل کے لئے
اس کے رُخ پر چاند ماتھے پر ستارا دیکھنا
لہلا اُٹھے ہمارے دل کی فصل آرزو
اک نظر بھر کر کبھی ہم کو دوبارا دیکھنا
ہم فنا کی سمت میں نکلے مسافر ہیں یہاں
کس نے تجھ سے یہ کہا رستہ ہمارا دیکھنا
ہم تو طوفاں کی کشاکش میں بہت رہتے ہیں خوش
ہم جیالوں نے نہیں سیکھا کنارا دیکھنا
سوچتی ہوں میں کہ آخر کن دعاؤں کے طفیل
ہے مرے دل کا شہر خوشحال سارا دیکھنا
میرے شعروں کو پزیرائی ملے گی ایک دن
یہ ہنرہ گا جہاں میں آشکارا دیکھنا
بیٹھ کر تنہائیو ں میں ہے مری عادت یہی
اس کتا بِ زیست کا ہر ہر شمارا دیکھنا
اے دلِ غمگین اک دن اپنی فرحتؔ کے لئے
نیند کی وادی میں سپنوں کا نظارا دیکھنا

ندا سرگودھوی

مقام ِطرب و مسرت فغان ِ اہل ِجمال
لطافتوں کے تخیل کا رنگ حسن ِکمال
کہانیوں کی طرح میں بھی ہوں مسافت میں
نہ داستان الم ہے نہ داستان ِجلال
اسی غبار میں پنہاں ہے داستان میری
تلاطموں کے تغیر کا ایک رنگ دھمال
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ ندا سا بادہ بیاں
ندا سا اوج ِ تخیل ندا سا حسن ِخیال

آفتاب شاہ

نہ مجھ کو چین آوے ہے نہ مجھ کو نیند ہی آوے
سجن کی دے خبر کوئی کوئی تو اس طرف جاوے
جلن رہتی ہے سینہ میں اسے کہہ دو صدا دے دے
کوئی تو یار کے کوچے سے تھوڑی دلبری لاوے
یہ دل کا ہے کو تیری یاد میں جل جل کے دھڑکے ہے
یہ کا ہے نام لے تیرا یہ کیونکر روگ ہے کھاوے
بتاؤں کیا میں لوگوں کو ترے دیکھے سے کیا ہووے
جو تجھ کو دیکھ لے یارو وہ جنت کا مزہ پاوے
سجن کی بھولی باتاں سے گماں ہووے ہے کوئل کا
سجن کی بھوری اکھیاں میں پپیہا گیت ہے گاوے
ملن کی بات کرنے پر حیا مکھڑے کو کھا جائے
سمٹتی جائے لاجاں سے دِلاں پر برق ہے ڈھاوے
ترے ہنسنے پہ دل اپنا تری جانب کھچا جاؤ
ترے رونے پہ دل تڑپے عجب سی تشنگی چھاوے
تری سوچاں کی بھنوراں میں کوئی رستہ نہیں ملتا
سفر یہ بوجھ لاگے ہے محبت خون ہے تاوے
تُو سنگت ہے بہاروں کی دلاں کے چاند تاروں کی
تو رانی ہے مرے دل کی نہ دل کو اب کوئی بھاوے

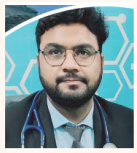

طاہر عثمان ملک

بجھا سکے نہ جو پیاس وہ آسماں کیسا
پھیلا سکے نہ جو خوشبو وہ گلستاں کیسا
شکستہ جسم و ذہن مزدور جسے چاہتا ہے
دے سکے نہ جو آرام وہ شبستان کیسا
ترسے، بچھڑے ہوئے مقید زبوں حالوں کا
بن سکے نہ جو رہبر وہ دبستاں کیسا
ٹھٹھرے ہوئے یخ بستہ نیم برہنہ کو
دے سکے نہ جو تپش وہ آتش داں کیسا
جس کی الفت میں جلتے ہیں شب بھر
شمع پروانوں کو جو نہ دے وہ شمع داں کیسا
غیر کے ٹکڑوں پر پلنے کی چاہت ہے اب
لکھ سکے نہ جو تقدیر خود کی وہ جواں کیسا

کلیم اللہ کلیم

نہ آب و گِل سے ہے مطلب نہ کچھ ہوا سے مجھے
متاعِ زیست میسر ہے کبریا سے مجھے
جو خاک وجہ غذا تھی، بنا اسی کی غذا
یقیں ہے روح ملائے گی بس خدا سے مجھے
میں ریزہ ریزہ بکھرنے لگا ہوں یا مولا
دعا ہے ڈھانپ لے رحمت بھری رِدا سے مجھے
نہ آرزو ہے کہ تعریف میری کی جائے
نہ کوئی خوف ہے تنقیدِ ناروا سے مجھے
زباں نے قلب کا کچھ درد تو اُگل ڈالا
سکوں ملا ہے اسی نطقِ ہم نوا سے مجھے
سخن شناس جو کہنے لگی مجھے دنیا
ملا ہے فیض یہ استاد کی دعا سے مجھے
گزر رہا ہوں تنفس کی دلدلوں سے کلیمؔ
بچائے رکھے خدا عہدِ کربلا سے مجھے

ڈاکٹر ظفر جاذب

میں ترا درد بھی مسکان میں رکھ لیتا ہوں
مثل سوغات وہ احسان میں رکھ لیتا ہوں
کچھ تو کمرے میں ترے جسم کی خوشبو آ
تری تصویر کو گلدان میں رکھ لیتا ہوں

جب گذرتا ہوں ترے کوچۂ و بازاروں سے
میں تری دید کو امکان میں رکھ لیتا ہوں
کسی مشکل سے نکلنا ہو تو آسانی کو
ماں ترا چہرہ میں وجدان میں رکھ لیتا ہوں
ہمسفر بن کے مرا ساتھ نبھائیں جاذب
اس کی یادوں کو میں سامان میں رکھ لیتا ہوں

عشرت معین سیما

گر محبت میں کچھ جنوں ہوتا
حال دل کا بہت زبوں ہوتا
بن کے اک جھیل عمر بھر بہتی
آنکھ کا رنگ نیل گوں ہوتا
سوچتی ہوں کہ عشق تم سے مجھے
ہو بھی جاتا اگر تو کیوں ہوتا
کیسی وحشت میں اور کتنی بار
کس کے قدموں پہ سرنگوں ہوتا
بات کرنے سے حل ہوا ورنہ
مسئلہ اب بھی جوں کا توں ہوتا
یہ تو اچھا ہے چھوڑ دی بستی
ورنہ سر پر سوار خوں ہوتا
یاد رکھا نہیں مجھے جس نے
وہ مرے حافظے میں کیوں ہوتا
کاش سیما سے بات کر لیتے
کاش دل اپنا پُر سکوں ہوتا

شفیق مراد

خمار ذات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
میں کائنات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
تمہاری بات کے چکر میں پھنس گیا ہوں
میں تمہاری بات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
تمہارے حسن کی اور عشق کی حقیقت کیا
جمالیات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
میں اس کے ہاتھ کی الجھی لکیر میں بند ہوں
میں اس کے ہاتھ سے باہر نکل کے دیکھوں گا
سنا ہے ہجر کی لذت عجیب لذت ہے
ملن کی رات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
چھپا ہوا ہوں ابھی تک میں اس لہجے میں
کبھی تو بات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
قدم قدم پہ فتوحات رقص میں ہونگی
جب اپنی مات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
بغیر فکر کے گزرے گی زندگی اپنی
لوازمات سے باہر نکل کے دیکھوں گا
میں دل کی بات اُسے برملا کہوں گا
مرادؔ تکلفات سے باہر نکل کے دیکھوں گا

شاہین برلاس امریکہ

ایسے دامن کو چھڑایا اس نے
یوں وفا کو بھی بھلایا اس نے
عشق کا دیپ جلا رکھا تھا
آج اس کو بھی بجھایا اس نے
دل ہمارا جو کسی کا ٹھیرا
اس کو زخموں سے سجایا اس نے
پاس رہ کر بھی نہیں کھل پایا
خود کو عقدہ یوں بنایا اس نے
جس سے شکوہ نہ کیا تھا شاہیں
اک تماشا سا بنایا اس نے

حاجرہ نور زریاب

ہمارے دل پہ اجارا، اُسی کا ہے صاحب
ہم اہل دل کو سہارا، اسی کا ہے صاحب
میں نیند میں بھی کسی اور کی نہیں ہوتی
کہ مجھ کو نام گوارا اسی کا ہے صاحب
جو فائدے کو فقط اپنا حق سمجھتا ہے
محبتوں میں خسارہ اسی کا ہے صاحب
ہے اس کی فرماں روائی بساط ہستی پر
جہان سارے کا سارا اسی کا ہے صاحب
اُسی کی مالا جپوں گی میں استعاروں میں
اک ایک لفظ اشارہ اسی کا ہے صاحب
جدھر نگاہ اُٹھائیں جہاں کریں محسوس
مہک اسی کی نظارا، اسی کا ہے صاحب
وہ لوٹ آیا ہے شاید مرے لیے زریاب
فضا میں شور دوبارہ اسی کا ہے صاحب

علیم طاہر ممبئی

خود سے نکل کے خود سے ملا آگے بڑھ گیا
ہر لمحہ مر اچاند ہوا آگے بڑھ گیا
پیچھے جو دیکھ لیتا تو پتھر نہ بنتا میں
آگے ہی چلا، اور چلا آگے بڑھ گیا
مجھ کو خریدنے کے لئے میں ہی کھڑا تھا
تھوڑا سا، مول بھاؤ کیا آگے بڑھ گیا
اس نے ہوا کے جھونکوں میں تحلیل کر دیا
سگریٹ سا کچھ مجھ کو پیا آگے بڑھ گیا
آنکھوں میں خواب خواب اسے بنتا رہا میں
دو پل مرے بدن میں جیا آگے بڑھ گیا

میں روح روح تجھ میں سفر کرتا رہا تھا
مرضی سے نئی راہ لیا آگے بڑھ گیا
آنکھیں تری مخمور رہی، دوپہر تلک
شب بھر تری شراب ہوا آگے بڑھ گیا
آنکھوں میں آ بسا ہے تو ہی نور کی طرح
ہونٹوں کو مرے چوم لیا آگے بڑھ گیا
تاریکیوں کے واسطے بن ہی گیا طاہر
خوش رنگ، جھلملاتا دیا آگے بڑھ گیا

ثانیہ جمال، بہار

جہاں میں کیسی حالت ہو رہی ہے
فنا اب تو شرافت ہو رہی ہے
کروں کیسے محبت پر بھروسہ
محبت میں بھی نفرت ہو رہی ہے
بیاں کردی ہے میں نے کیا حقیقت؟
انہیں مجھ سے عداوت ہو رہی ہے
بڑھی جاتی ہے ایسی اب گرانی
امیروں میں بھی غربت ہو رہی ہے
محبت سے جو دنیا کو ہے نفرت
ہے سچ نفرت سے اُلفت ہو رہی ہے
فریبی عشق میں سب ہوگئے ہیں
کہاں کس کو محبت ہو رہی ہے
سکوں سے جی رہا ہے آج مجرم
فقط جھوٹی عدالت ہو رہی ہے
ستایا جاتا ہے مظلوم ہی کیوں
بہت گندی سیاست ہو رہی ہے
ہوا دشوار جینا ہر کسی کا
بہت ظالم حکومت ہو رہی ہے
مخالف مت بنا ہر گز کسی کو
مجھے ایسی ہدایت ہو رہی ہے
خدا کا شکر کر اے ثانیہ اب
غزل کی تیری شہرت ہو رہی ہے

عطیہ نور، انڈیا

میں جہاں تھی وہیں پر رُکی رہ گئی
کس نے آواز دی سوچتی رہ گئی
خواب کی پالکی لے کے آئے ہو اب
زندگی جب گھڑی دو گھڑی رہ گئی
مجھ کو محرومیوں نے رُلایا مگر
رونے والے تجھے کیا کمی رہ گئی
پاس تھے تم تو جی بھر کے دیکھا نہیں
کھو گئے تو تمہیں ڈھونڈتی رہ گئی
تم بھی خاموش تھے میں بھی خاموش تھی
بات تھی ان کہی، ان کہی رہ گئی
روشنی چند پل کو ہوئی بھی مگر
پھر"عطیہ" وہی تیرگی رہ گئی

ناظم قادری

جس نے ترا عرفان لیا ہے
راز خودی کا جان لیا ہے
کون ہے ہمدم کون ستمگر
درد نما درمان لیا ہے
دستِ جنوں نے سنگ کا بدلہ
تیرے لئے گلدان لیا ہے
ہجر میں ہم نے ماہِ درخشاں
اشک سرِ دامان لیا ہے
خون جلا کر اپنے جگر کا
"میں نے تجھے پہچان لیا ہے"
میں نے تجھے اے رشکِ بہاراں
حسن سراپا مان لیا ہے
بات نہیں ہے تشنہ لبی کی
جب سے ترا فیضان لیا ہے
شہر اماں نے زعم انا کا
کتنا بڑا نقصان لیا ہے
بھول گیا کیوں روز ازل
جو عہد لیا پیمان لیا ہے
گوشۂ دل میں آئی تجلی
جب سے ترا وجدان لیا ہے
شیشۂ دل میں دیکھ لے ناظمؔ
عکس رُخِ تابان لیا ہے

ڈاکٹر محمد محسن علی آرزو

حالت مسلمانان ملت اسلامیہ

مومن کی شام زینت مضراب ہوگئی
ملت تمام، غرق تہہ آب ہوگئی
سرمایہ دار، قوم کے سالار ہوگئے!
توقیر دین سوختہ، خوں ناب ہوگئی
جب ناخدا، نے اپنے خدا کو بھلا دیا
ہر موج بحر، صورت گرداب ہوگئی
ملت کے پاسباں کو نہیں فکر انجمن
غیرت تو زیر سایہ ء کم خواب ہوگئی
شوق رُباب سے گیا ذوق سپاہ گری
رسم جہاد، دہر میں نایاب ہوگئی
چشم کشا، بصیرت موہوم رہ گئی
جو کامیاب تھی کبھی، کم یاب ہوگئی

اسلاف نے دکھائی تھی جو راہ مستقیم
پابند ذوق ملائے محراب ہوگئی
اُمت نے پایا مغربی جمہور میں قرار
دیں بیچ کے زمانے میں سرخاب ہوگئی

حسان عارفی، ریاض

جب قلم کار نے تیور بدلے
تب ہی الفاظ نے پیکر بدلے
ہوگئے چہرہ و دل سیاہ مگر
اپنی عادت نہ یہ ہمسر بدلے
فیصلہ یوں ہی نہیں ہم نے لیا
ہم بہت سوچ سمجھ کر بدلے
دل سے نکلا نہ براہیم کا خوف
گو بتوں نے کئی آذر بدلے
انکساری میری مفلوج نہ ہو
بس یہی سوچ کے چھپر بدلے
حسن نے لاکھ لٹائے صدقے
اپنی فطرت نہ گداگر بدلے
ہم نہ بدلیں گے پیمبر اپنا
جس کا جی چاہے پیمبر بدلے
ایک بوسیدہ سی دیوار میں بس
سال گزرا تو کلنڈر بدلے
ہم نے تاریخ مرتب کر لی
پہلے جسموں پہ نئے سر بدلے
زخمِ حسانؔ رہا تن تنہا
وقت نے سینکڑوں نشتر بدلے

خورشید الحسن نیر

اشک مژگاں پہ سجائے غم دوراں ہوں میں
غنچہ و گل کے لئے بلبل نالاں ہوں میں
فضل قرآن ہے یہ دانش و بینا ہوں میں
محرم درد و غم عالم انساں ہوں میں
جنبش چشم و جبیں گر ہے بغاوت تو قبول
بزم حسرت کا ہوں باغی تو سنو ہاں ہوں میں
جس کی حشمت کا ہے چرچہ ترے ایوانوں میں
دیکھ عبرت کی نگہ سے وہی ویراں ہوں میں
میری سیما ہے فطرت کا تقاضہ ہے یہی
جلوہ گر حسن جہاں ہے وہاں وہاں ہوں میں
زلف میں تیرے سجا کر تجھے خوش نام کروں
آ اِدھر آ کہ علاج غم جاناں ہوں میں
درد ہو فکر کڑھن ہو کے ہو آلام و محن
کون سا درد ہے جس کا نہیں درماں ہوں میں
وطن تیری بقا، امن و اماں سود و نفع
عدل و انصاف و اُخوت کا نگہباں ہوں میں
جاں گسل جس کے عنایات ہوئے ہیں نیرؔ
ہاں اسی شوخ کی محفل کا غزل خواں ہوں میں

افتخار راغبؔ قطر

اُس نے کہا تھا ایک شب ''تم نے مجھے بدل دیا''
کیسے کہوں میں اس سے اب تم نے مجھے بدل دیا
جادو اثر ہر اک ادا، چہرہ ہے یا کہ معجزہ
دکھلا کے اک حسین چھب تم نے مجھے بدل دیا
دیکھو مری شرارتیں، شوخی۔ بھری عبارتیں
چنچل تھا اس قدر میں کب تم نے مجھے بدل دیا
سرگوشیوں کا میں ہدف، حیرانیاں ہیں ہر طرف
ششدر ہے آئینہ عجب تم نے مجھے بدل دیا
دل میں ہے یوں اُمنگ کیوں، نکھرا ہوا ہے رنگ کیوں
اب پوچھتے ہو کیا سبب تم نے مجھے بدل دیا
اک حرفِ انتظار ہوں، ہر آن بے قرار ہوں
راغبؔ نہیں رہا میں اب تم نے مجھے بدل دیا

خورشید اکبر پٹنہ

کوئی دوا نہیں، دست دعا سے رشتہ ہے
مریض جاں ہوں مہہ مدعا سے رشتہ ہے
یہ زندگی بھی ہے مہمان چند سانسوں کی
کہ اس چراغ کا پاگل ہوا سے رشتہ ہے
بہت اداس ہوا پھول پھینکنے والا
وہ بے زباں ہے! مرا آئنہ سے رشتہ ہے
کسی کی نازکی بھاری ہے سنگ زاویوں سے
کسی کی موم نظر کا قضا سے رشتہ ہے
یہ اور بات کہ وہ لمس بے زباں ٹھہرا
یہ اور بات! مرا ذائقہ سے رشتہ ہے
میں اس کے ساتھ ہر اک شرط ہار جاؤں گا
وہ کم سخن بھی ہے، اس پر حیا سے رشتہ ہے
ہے درمیان کوئی بے اماں تعلق سا
یہ میرے شہر سے جو سانحہ کا رشتہ ہے
خدا کے شہر میں کیا ساتھ لے کے جاؤں گا
یہی بہت ہے کہ خلق خدا سے رشتہ ہے
اسے قریب جو دیکھا، لپٹ گیا خورشید!
خیال ہی نہ رہا کس بلا سے رشتہ ہے

اُسے پانا اُسے کھونا اُسی کے ہجر میں رونا
یہی گر عشق ہے محسن تو ہم تنہا ہی اچھے ہیں

سعید نظر کویت

کیا کب یہ دعویٰ کہ میں ہوں مکمل
عمل سیکھنے کا ہے جاری مسلسل
وہ ملتا نہیں ہے جسے پانا چاہوں
اسی بات سے ہے مرا دل بھی بے کل
میں لوٹا ترے گھر سے مایوس ہوکر
ترا در بھی پایا ہے میں نے مقفل
تجھے زندگی میں نے چاہا ہے دل سے
مرے ساتھ بھی تو قدم دو قدم چل
پڑا جب بھی سوکھا ہوا حال ابتر
کہاں بھایا آنکھوں کو اپنی یہ جل تھا
جڑا رہنے دو مجھ کو میری زمیں سے
یہ اس کی ہے خواہش کہ مل جائے مخمل
یہی سچ ہے جاناں یہی سچ ہے جاناں
بہلتا ہوں تیرے تصور سے پل پل
سکوں کا نشانہ کچھ بھی ملتا نہیں ہے
ترے چارسو اس قدر کیوں ہے ہلچل
پگھلنا ہی تیرا مقدر اگر
ہے نظر تو کسی پیکر حسن میں ڈھل

محمد فہد پاشا کولکتا

تمہارا تیز گام ہونا نہ کام آیا تو کیا ہوگا
جو منزل چھولے میری آبلہ پائی تو کیا ہوگا
کلائی دشمنوں کی موڑ دینا آتا ہے مجھ کو
مجھے ادنیٰ سمجھ کر تو نظر انداز کیا ہوگا
عیاں ہو جاؤ تجھ پر میری گیرائی تو کیا ہوگا
ہرا زخمِ جگر ہے رس بھرا کرب و الم کا ہے
کسی دن اس کو چھیڑے ضرب پروائی تو کیا ہوگا
اُتر جائے گا چھلکا جسم سے تیرے تصنع کا
تری بابت کروں جو خامہ فرسائی تو کیا ہوگا
تمہاری زُلف کی خوشبو خیالوں کے دریچوں سے
بنا دستک دیئے دل میں اتر آئی تو کیا ہوگا
خرد مندی جنوں خیزی فہد درماندگی اپنی
محبت میں بھی یہ صورت نہ راس آئی تو کیا ہوگا

معراج الدین تشنہ، بہار

تعجب کیا ہے ایسی باتیں واتیں ہوتی رہتی ہیں
ہمارے ساتھ تو اکثر یہ گھاتیں ہوتی رہتی ہیں
ذرا سی ٹھیس پر یوں بلبلانا کیا ضروری ہے
محبت میں تو ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں
غلو کے خوف سے میرا کلیجہ کانپ جاتا ہے
نہ جانے کیسے تم سے روز نعتیں ہوتی رہتی ہیں
ندامت کے جو آنسو ہیں وہ دھوتے ہیں گناہوں کو
خدا کے فضل سے اکثر نجاتیں ہوتی رہتی ہیں
تغیر کا زمانے میں الگ اک لطف ہے صاحب
یہاں صبح و مسا، دن اور راتیں ہوتی رہتی ہیں
کر افسوس دنیا کا یہی دستور ہے تشنہؔ
بساط زیست پر شہ اور ماتیں ہوتی رہتی ہیں

قمر سرور، احمد نگر

یہ بھول ہے کہ حقیقت، گلاب سمجھے ہیں
جو صرف کانٹوں کو ہم لاجواب سمجھے ہیں
سمندروں میں ہمیں تم ڈبو نہ دینا کہیں
ہم ایک قطرے کو ہی بے حساب سمجھے ہیں
پڑھا ہی کرتے ہیں ہم تو تمہارے چہرے کو
تمہارے چہرے کو شاید کتاب سمجھے ہیں
جو جگنوؤں کے طرفدار ہیں یہ ان سے کہو
''ہر ایک ذرے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں''
ہے باادب یہ گذارش کہ اتنا عرض کریں
ہمارے بارے میں کیا کیا جناب سمجھے ہیں
اسے سمجھئے گا کانٹوں کا ایک گلدستہ
چمن کے لوگ انہیں کیوں گلاب سمجھے ہیں
یہ زور و شور کی تیری مہم دکھاوا ہے
زمانے والے اسے انقلاب سمجھے ہیں
قمر جو لوگ سیاست میں ہیں ملوث انہیں
زمانے والے ہی عزت مآب سمجھے ہیں

محمد فرقان فیضی

بس اتنا کرم جان جاں فرماؤ کسی دن
پھولوں کی طرح باہوں میں کھل جاؤ کسی دن
اے شوخ بدن رس بھرے ہونٹوں سے مئے عشق
اک قطرہ سہی مجھ کو بھی پلواؤ کسی دن
بنجر ہے ابھی ارض مقدس میرے دل کی
لہرا کے بس اک بار برس جاؤ کسی دن
تدبیر کرو چاہے کرو کوئی بہانہ
ملنے کیلئے مجھ سے چلے آؤ کسی دن
فرصت سے سنائیں گے غم ہجر کے قصے
ہوگا جو ترے شہر میں ٹھہراؤ کسی دن
اے میرے کرم گر کبھی خود پر بھی کرم ہو
میری ہی طرح خود کو بھی تڑپاؤ کسی دن
افسوس تو ہو مجھ سے بچھڑنے پہ کسی طور
تم ترکِ ملاقات پہ پچھتاؤ کسی دن
تم مان چکے ہو کہ نہیں بس میں تمہارے

پھر بیٹھ کے اس دل کو بھی سمجھاؤ کسی دن
چارہ گری، مرہم کی ضرورت نہیں مجھ کو
بھر جائے گا فیضیؔ مرا ہوا گھاؤ کسی دن

ریحانہ شاہین

باخدا ہم تو دل و جاں سے تمہارے ہوتے
نام لیکر کبھی دلبر جو پکارے ہوتے
ساتھ ایسا کبھی اک بار تمہارا ملتا
پاؤں دریا میں کبھی ہم نے اُتارے ہوتے
زندگی کا وہ اثاثہ میں بنا کر رکھتی
دو ہی لمحے جو کبھی ساتھ گزارے ہوتے
مجھ کو افسوس اگر ہے تو فقط اتنا ہے
تم خطا میری بتا کر ہی کنارے ہوتے
میری آنکھوں میں کبھی ڈالتے آنکھیں اپنی
میرے سینے میں جو ارماں ہیں تمہارے ہوتے
تم کبھی سیر پہاڑوں کی کراتے ہم کو
چند فوٹو کسی جھرنے کے اُتارے ہوتے
میرے اشعار ترے نام ریحانہ شاہینؔ
کیسے کہہ دوں کہ ترے نام شرارے ہوتے

معظم عزم بہار

کہیں پہ جگنو کہیں چاندنی سی لگتی ہے
یہ رات ہی تو ہے جو زندگی سی لگتی ہے
کبھی جو ہنستے ہوئے دیکھتا ہوں بچوں کو
مری تھکن بھی مجھے تازگی سی لگتی ہے
مرے خیال پریشاں میں یہ تری آمد
کہ خار وخس میں بھی اک نازکی سی لگتی ہے
اندھیری شب کے مسافر سے پوچھ کر دیکھو
بجھے چراغ میں بھی روشنی سی لگی ہے
کوئی بھی زخم لگے تیری یاد آجائے
مرے دُکھوں سے تیری دوستی سی لگتی ہے
ہزاروں غم ہیں مگر آرزو ہے جینے کی
یہ بے بسی بھی کیسی دلکشی سی لگتی ہے

خرم سہیل امریکہ

تو مبتلا ہے تو پھر اب تو مبتلا ہی رہے
نئے یہ عشق کا گلشن ترا ہرا ہی رہے
میں اپنے عشق کا آخر تلک امین رہوں
ہمیشہ لب پہ مرے ایک یہ دعا ہی رہے
مجھے نہ اور کسی کی رہے طلب درکار
سفر میں میرے ہمیشہ مرا خدا ہی رہے
یہ حسن ظن تھا مرا کر لیا تجھے برداشت
ضروری کب تھا رویہ ترا روا ہی رہے
نہ اپنے دست کی حرمت پہ ہو یقین جسے
یہ مان لیجئے وہ شخص پھر گدا ہی رہے
بدن جلا کے جو رستوں کو کر گئے پر نور
چراغ ایسے بھی گمنام و بے نوا ہی رہے
ہمارے درد کا تریاق کوئی دے نہ سا
یہ اور بات کہ اوروں کی ہم دوا ہی رہے
رہے یہ شاہ کی خلعت ترے بدن کا نصیب
مرے وجود کے شایان یہ ردا ہی رہے
سخن وروں کی اس بھیڑ میں سہیل یہاں
بیان وفکر میں اوروں سے ہم جدا ہی رہے

اشرف یعقوبی کولکتہ

وفاداری میں مکاری نہیں ہے
مری فطرت میں عیاری نہیں ہے
فقط کپڑے بدن پر ماتمی ہوں
یہ تو طرز عزاداری نہیں ہے
نہ آئیں گی حویلی میں کنیزیں
ہماری سوچ درباری نہیں ہے
یہ کہتا ہے سیاست باز سب سے
مرا کردار دو دھاری نہیں ہے
کسی کی یاد کا دامن پکڑ کر
مجھے چلنے کی بیماری نہیں ہے
اسے نہلا رہے ہیں گنگا جل سے
کہ جس پتھر میں چنگاری نہیں ہے

عاصی صحرائی

محبت اَبروئے خمدار بھی ہے
یہ نازک ہے مگر تلوار بھی ہے
اسی سے ظلمتوں میں روشنی ہے
اسی سے خلوتوں میں یار بھی ہے
نہیں آسان اتنا راستہ یہ
منزل اس کی سوئے دار بھی ہے
یہ کھو جائے تو ہے گرداب دنیا
یہ مل جائے تو بیڑہ پار بھی ہے
اتنی اندھی ہوتی ہے لگن میں
کچے گھڑے پر کرتی اعتبار بھی ہے
چھڑواتی ہے تخت و تاج شاہ سے
عزت بیگ کو بناتی کمہار بھی ہے
کبھی دکھاتی ہے سپنے سہانے
کبھی کرتی رُسوائی سرِ بازار بھی ہے
کبھی بناتی ہے دیدو رانجھا

کبھی کھدواتی نہرِ شیردار بھی ہے
تلاشِ یار میں ہوتی ہے صحرا نورد
جان دیتی سرے ریگزار بھی ہے
محبت بناتی ہے یادوں کا تاج محل
جو آج دنیا کا شاہکار بھی ہے
محبت ہے بہت بدنام لیکن
نہ بھولو! یہ سنتِ ابرار بھی ہے
گر مل جائے محبت پروردگار
یہ بناتی دو عالم کا شاہکار بھی ہے

14 اگست 1994 کراچی

کسی کو کیا جو مرے دل میں درد ہے کہ نہیں
میں جل رہا ہُوں، کوئی آہِ سرد ہے کہ نہیں
لہُو کی باس تو چاروں طرف ہے پھیلی ہوئے
کہیں پہ پیکرِ خاکی کی گرد ہے کہ نہیں
سمیٹنے کو تو خاشاکِ جسم بھی ناپید
نشاں کوئی تہہِ شمشانِ درد ہے کہ نہیں
وہ ایک بول کہ سب لغزشوں پہ بھاری ہُوا
مِرا ضمیر پشیمانِ خرد ہے کہ نہیں

حادثہ، اگست 1988

ساجد اختر کولکتہ

گلے لپٹی ہوئی جو مفلسی تھی
وہ ہم پر چیختی ہے چیختی تھی
تصور تھا ترا شفاف تو پھر
تری تصویر کیوں دھندلا گئی تھی؟
زمانے نے کریدا ناخنوں سے
ذرا سی چوٹ جو دل پر لگی تھی
خدا بارش نہیں کرتا تھا ہم پر
نہ جانے بات ایسی کیا ہوئی تھی
میں اک شب گھر کو جلدی لوٹ آیا
اُداسی چاروں خانے چت پڑی تھی
کمی کچھ بھی نہیں تھی زندگی میں
پر اس کی مانگ سونی ہوگئی تھی
سویرا خون میں ڈوبا ہوا تھا
عجب وہ شام شام ماتمی تھی
کیا کل اس نے کیوں پھر ٹیکس ساجدؔ
جو میری زندگی سے جا چکی تھی

عبدالشکور شاکر

پرچم لہراتا ہے ہر دِل کو گرماتا ہے
اور کئی رنگوں کے پرچم
یہ سب کو شرماتا ہے پرچم لہراتا ہے
یہ عزم و ایمان کا پرچم
میرے پاکستان کا پرچم
دِل اور میری جان کا پرچم
دیکھو تو یہ کیسی ادا سے
ہر دِل کو بہلاتا ہے پرچم لہراتا ہے
اور کئی رنگوں کے پرچم
یہ سب کو شرماتا ہے پرچم لہراتا ہے
ایک وقار ہے اس کی قامت
کیا دلدار ہے اس کی صورت
عینِ یقیں ہے اس کی رنگت
سب کو پاس بلاتا ہے
سب کی آس بندھاتا ہے پرچم لہراتا ہے
اور کئی رنگوں کے پرچم
یہ سب کو شرماتا ہے پرچم لہراتا ہے
صدا بلند رہے لہراتا
آندھی ہو طوفان بلا کا
اس کو نہ ہو کوئی دھڑکا
وقت آتا اور جاتا ہے پرچم لہراتا ہے
اور کئی رنگوں کے پرچم
یہ سب کو شرماتا ہے پرچم لہراتا ہے

مزارِ قائد پہ روشنی ہے

عبدالشکور شاکر

مزارِ قائد پہ روشنی ہے
یہ روشنی میری زندگی ہے
یہ روشنی ہے یقینِ محکم
یہ روشنی، فکرِ عملِ پیہم
یہ روشنی صُبح کا تبسّم
یہ روشنی ہے محبتوں کی
یہ فتح و نُصرت کی چاشنی ہے
مزارِ قائد پہ روشنی ہے
یہ روشنی میری زندگی ہے
یہ روشنی وجہِ شُکر و احساں
وہ روشنی عین جُزوِ اِیماں
بلند شُکر و سپاس سے ہے
خدائے بر تر کی بندگی ہے
یہ روشنی میری زندگی ہے
مزارِ قائد پہ روشنی ہے

بحضور قائداعظم

احمد فراز

پھول روتے ہیں کہ آئی نہ صدا تیرے بعد
غرقِ خوں ہے بہاروں کی ردا تیرے بعد

آندھیاں خاک اڑاتی ہیں سرِ صحنِ چمن
لالہ و گل ہوئے شاخوں سے جدا تیرے بعد
جاہ و منصب کے طلبگاروں نے یوں ہاتھ بڑھائے
کوئی دامن بھی سلامت نہ رہا تیرے بعد
جن کو اندازِ جنوں تو نے سکھائے تھے کبھی
وہی دیوانے ہیں زنجیر بپا تیرے بعد
کس سے آلامِ زمانہ کی شکایت کرتے
واقفِ حال کوئی بھی تو نہ تھا تیرے بعد
اب پکاریں تو کسے، زخم دکھائیں تو کسے
ہم سے آشفتہ سرو شعلہ نوا تیرے بعد
پھر بھی مایوس نہیں آج تیرے دیوانے
گو ہر اِک آنکھ ہے محرومِ ضیاء تیرے بعد
راستے سخت کٹھن منزلیں دشوار سہی
گامزن پھر بھی رہے آبلہ پا تیرے بعد
جب کبھی ظلمتِ حالات فضا پر برسی
مشعلِ راہ بنی تیری صدا تیرے بعد

عاصی صحرائی

منظورِ نظر شخص کے پندار سے خوش ہوں
پندار نظر آتا ہے رُخسار سے خوش ہوں
وارفتگی تحریکِ محبت کا مداوا
اس شے کا ہے جو مجھ پہ اُس آثار سے خوش ہوں
دَرپیش مسائل ہیں تو اس دور میں اب بھی
میں رَفتگاں کے خوابِ ثمر بار سے خوش ہوں
اب خاک کی اَرواح کو مٹی میں ملا دو
اب جسم کی ڈھلتی ہوئی دیوار سے خوش ہوں
اس دور ندامت میں یہ اعلان ہے میرا
اپنوں سے نہیں خوش میں ان اغیار سے خوش ہوں
انداز خداداد ہے میرا تو تبھی میں
ہر شعر کی ہر آمدِ رفتار سے خوش ہوں

عاصی صحرائی

یہ خوارگی درِ قدرت کے ہجر کے ہے طفیل
مطالباتِ اُخوت کے ہجر کے ہے طفیل
یہ دُوریاں ہیں جو محبوب اور میرے بیچ
جواہراتِ ندامت کے ہجر کے ہے طفیل
دلِ خمار میں نفرت بھری ہوئی ہے تری
یہ حادثہ تری اُلفت کے ہجر کے ہے طفیل
یہ میرے شعر و تخیل میں جو ہے ویرانی
عزیز دوست کی مدحت کے ہجر کے ہے طفیل
میں گھر میں رہ کے بھی بے گھر ہوا پڑا ہوں یہاں
زمانے بھر کی مودت کے ہجر کے ہے طفیل
جو میرے پاس ہے پھر بھی یہ دور ہے مجھ سے
میسراتِ سہولت کے ہجر کے ہے طفیل

عاصی صحرائی

کمال ہوگیا بہت سوالِ خاکسار سے
جو باغیانہ ہو گیا تھا پھول ایک خار سے
حصول ہوگئی مری تمام خواہشات تب
میں جب لڑا عزیز دوستوں میں تین چار سے
وفا سمیٹنا نہیں تو تو بھی خوار ہے یہاں
یہی گذارشات ہوں گی تیسرے سوار سے
مجھے نہ چھوڑنا نہ چھوڑنا نہ چھوڑنا کبھی
میں کہہ رہا ہوں ایک بات بار بار یار سے
سکھا رہے ہیں بس لڑائیاں یہاں کے سب فریق
سو اختلاف کر رہا ہوں اس قبیلِ مار سے

عاصی صحرائی

میرا دلدار مرے ساتھ جفا کرتا ہے
بس مجھے چھوڑ کے وہ سب سے وفا کرتا ہے
میں ستاروں کو شبِ ہجر میں یوں گنتا ہوں
ایک مزدور جو تنخواہ گنا کرتا ہے
میں درِ خواب کو بس خواب میں ہی دیکھا کروں
میرا محبوب سرِ شام دعا کرتا ہے
نرگسیت تو اَجل ہے وہ مجھے وصل کے بیچ
ہر طرح سے ہی جو پابندِ انا کرتا ہے
ہر منافق کی بڑی شان ہوا کرتی ہے
ایک پہیہ بھی تو سڑکوں پہ چلا کرتا ہے

سید طاہر احمد زاہد

ہے دکھوں کا جالا بھی
پاؤں میں ہے چھالا بھی
اب ہے ٹوٹنے والا
صبر کا پیالہ بھی
ہو گیا فدا تجھ پر
لاکھ دل سنبھالا بھی
جیت جائے گا اک دن
ہار جانے والا بھی
چھین لیں گے یہ حاکم
منہ سے اب نوالہ بھی
توڑ دو مرے لوگو
تم یہ چپ کا تالا بھی
یہ جفاؤں کا موسم
ہے بدلنے والا بھی
کچھ جنوں کا لائے گا
رنگ یہ جوالا بھی
شاعروں میں ہے زاہد
اب مرا حوالہ بھی

ڈاکٹر فرزانہ فرحت صاحبہ، شاعرہ

تبصرہ نگار
رانا عبدالرزاق خاں لندن

انگلستان میں مقیم علم وادب کی خدمت میں پیش پیش نامور شاعرہ فرزانہ فرحت نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے گریجویشن کیا۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فار ویمن لاہور سے ہی ایجوکیشن کی ڈگری حاصل کی اور شعبہ تدریس سے منسلک ہوگئیں۔انہیں زمانہ طالبعلمی سے ہی ادبی سرگرمیوں سے گہری دلچسپی تھی۔انہوں نے متعدد انٹر کالجیٹ مقابلوں میں شرکت کر کے انعامات،اسناد اور ٹرافیاں حاصل کیں۔1996ء میں انگلستان تشریف لے گئیں۔لندن میں ہیومن اناٹمی،فزیالوجی، پروڈکٹ نالج اور مختلف اقسام کی الیکٹرک ٹریٹ منٹ سیکھنے کے بعد پروفیشنل تھیراپسٹ کی حیثیت سے خدمات سر انجام دے رہی ہیں۔ان کا پہلا شعری مجموعہ ''بدلتی شام کے سائے'' 2010 میں منصۂ شہود پر آیا تو اُسے پذیرائی نصیب ہوئی۔آپ نے متعدد بین الاقوامی کانفرنسز اور سیمینارز میں شرکت کی۔علم وادب کی خدمت میں سرشار فرزانہ فرحت نے ''شمس میگ یو۔کے'' کا اجراء کیا جسے اہلِ علم ودانش اور ادبی ذوق رکھنے والوں نے پسند کیا۔2011ء میں اُن کی خداداد صلاحیتوں کے پیشِ نظر انہیں شریف اکیڈمی۔جرمنی کا ڈائریکٹر برائے لنڈن نامزد کیا گیا۔2011ء میں ہی انکا دوسرا مجموعہ کلام ''خواب خواب زندگی'' شائع ہوا۔جس کی متعدد ممالک میں تقریبِ اجراء اور تقریبِ پذیرائی ہوئی۔اسی سال آپ نے پاکستان کا دورہ کیا۔شریف اکیڈمی کے عالمی سیمینار میں شرکت کی اور اکیڈمی کے ڈائریکٹر لندن کی حیثیت سے اکیڈمی کے وفد کے ساتھ مختلف اضلاع کا دورہ کیا۔2012ء میں بین الاقوامی اردو مرکز کی جانب سے انہیں ''شانِ اردو ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔جسکی تقریب پاکستانی سفارتخانہ برلن جرمنی میں منعقد ہوئی۔فرزانہ فرحت کی امن کے موضوع پر لکھی جانے والی نظموں کو عالمی طور پر پذیرائی حاصل ہوئی اور انہیں 2012 میں انٹرنیشنل انٹلکچویل پیس اکیڈمی انڈیا کی جانب سے یوکے کا صدر نامزد کیا گیا اور All India Intelectual Peace Awad سے نوازا گیا۔2012ء میں سخنور فاونڈیشن پاکستان کی جانب سے ''خواب خواب زندگی'' پر سخنور فاونڈیشن ایوارڈ سے نوازا گیا۔عالمی ادبی وعلمی تنظیم شریف اکیڈمی جرمنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے فیصلہ کے مطابق انہیں انکی کتاب ''خواب خواب زندگی'' پر شریف اکیڈمی ایوارڈ 2013ء سے سرفراز کیا گیا۔2013ء میں انڈیا سے انہیں سد بھاونا ایوارڈ سے نوازا گیا۔جون 2014ء میں انہیں اردو انجمن برلن جرمنی کی جانب سے کرشن چندر،خواجہ احمد عباس اور احسان دانش کی صد سالہ تقریب پر مدعو کیا گیا۔اور انہیں اردو انجمن برلن کی اعزازی شیلڈ دی گئی۔2014ء میں پاکستان گئیں۔جہاں ادبی تنظیم ''ادب سرائے'' کی جانب سے ان کی علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں شہناز مزمل ایوارڈ سے نوازا گیا۔2014ء میں فروغِ ادب فاونڈیشن پاکستان کی جانب سے ان کے مجموعہء کلام ''خواب خواب زندگی'' پر ایوارڈ دیا گیا۔2015ء میں انہیں اردو تحریک عالمی کی جانب سے بطور شاعرہ گولڈ میڈل دیا گیا۔2016ء میں جگنو انٹرنیشنل کی طرف سے ان کی کتاب ''خواب خواب زندگی'' پر ایوارڈ دیا گیا۔یورنیوسٹی آف کراچی گریجویٹ فورم کینیڈا کی جانب سے ''الجامعہ ایکسیلنز ایواراڈ'' Al-Jamia Exellance Award2016 سے سرفراز کیا گیا۔فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینیٹیز، رفاہ انٹرنیشنل یورنیوسٹی فیصل آباد کیمپس،فیصل آباد کے شعبہ اردو کے تحت ایم فل کے دو مقالہ جات بعنوان ''فرزانہ فرحت کی شاعری کا مطالعہ'' اور دوسرا مقالہ ''کلیات فرزانہ فرحت کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' تحریر ہوا۔رائل امیریکن یورنیورسٹی۔یو ایس اے کی جانب سے آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی فرزانہ فرحت بنیادی طور پر شاعرہ ہیں۔زندگی کی دیگر مصروفیات کے باوجود علم وادب کی خدمت میں سرگرمِ عمل ہیں۔معتبر اور باوقار شخصیت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی شائستہ،حلیم الطبع اور انسانیت کا درد رکھنے والی نیک سیرت خاتون ہیں۔

فرزانہ فرحت کی کتب : 1۔بدلتی شام کے سائے ۔۲۔خواب خواب زندگی ۔ ۳۔آنسو۔ ۴۔فصل آرزو فرزانہ فرحت کو ملنے والے ایوارڈ ۔1۔انٹلیکچویل پیس ایوارڈ۔آل انڈیا انٹلچویل پیس اکیڈمی۔انڈیا نام۔فرزانہ فرحت تعلیم B.A,B.Ed (Punjab University) ڈپلومہ بیوٹی تھیراپسٹ،ہیومن اناٹمی، فزیالوجی اینڈ پروڈکٹ نالج،(Thames College of London,UK)

اعزازی ڈگری: ڈاکٹر آف لٹریچر۔ Royal American University USA تخلیقات۔ کتب شاعری۔بدلتی شام کے سائے ۔۲۔خواب خواب زندگی (ایوارڈ یافتہ)3۔آنسو۔ ۴۔فصلِ آرزو

ادبی خدمات پر اسناد و ایوارڈ:

☆شانِ اردو ایوارڈ۔ 2012 بین الاقوامی اردو مرکز (برلن) جرمنی ☆ انٹلکچویل پیس ایوارڈ(Intelectual peace Award 2012) آل انڈیا انٹلیکچوئل پیس اکیڈمی۔انڈیا☆سدبھاونا ایوارڈ 2014 (انڈیا) ☆شیلڈ آف آنر۔2014 اردو انجمن برلن۔جرمنی☆شہناز مزمل ایوارڈ 2014 ادبی تنظیم ''ادب سرائے'' لاہور☆گولڈ میڈل بطور شاعرہ 2015 اردو تحریک عالمی یو کے، برموقع اردو عالمی سیمینار 2015 لندن ☆یونیوسٹی آف کراچی گریجویٹ فورم کینیڈا کی جانب سے ''الجامعہ ایکسیلنز ایواراڈ'' 2016 شعری مجموعہ ''خواب خواب زندگی'' پر ایوارڈ ☆شریف اکیڈمی ایوارڈ 2013 برموقع سالانہ عالمی کنونشن۔شریف اکیڈمی جرمنی ☆سخنور فاؤنڈیشن ایوارڈ۔ پاکستان 2012 ☆فروغِ ادب فاونڈیشن ایوارڈ۔2014ء ☆جگنو انٹرنیشنل ایوارڈ۔2016

ادبی خدمات:

وائس پریزیڈنٹ۔اردو تحریک عالمی۔یو کے ڈائریکٹر لندن۔شریف اکیڈمی جرمنی۔

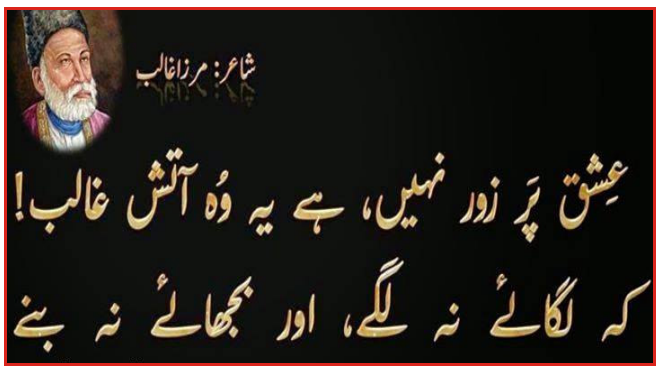

امریکہ میں ترک سفارت خانے کو 30 ملین دینے والا پاکستانی آخر مل گیا

مبشر شہزاد، گلاسگو

دنیا کی سب سے طاقتور بیٹری ایجاد کرنے والا پاکستانی...دنیا کی طاقتور ترین بیٹری کی ایجاد کرنے والے موجد مجیب اعجاز ایک پاکستانی ہیں جو امریکہ میں ون نیکسٹ انرجی نامی کمپنی چلا رہے ہیں۔جیمینائی نامی یہ بیٹری صرف ایک چارج میں کسی الیکٹرگ گاڑی کو 752 میل یا 1200 کلومیٹر تک کا طویل سفر کرنے کے قابل بنا سکتی ہے۔مجیب اعجاز کی امریکہ میں ''ون نیکسٹ انرجی'' کے نام سے کمپنی بہت تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔مجیب اعجاز کی جیمینائی بیٹری ''21ویں صدی کی سب سے بڑی ایجادات میں سے ایک مانی جا رہی ہے، مجیب نے اپنی کمپنی کی بنیاد ہی اِس مقصد کے ساتھ رکھی کہ وہ الیکٹرک گاڑیاں تیار کرنے والی کمپنیوں کیلئے ایک ایسی جدید ترین بیٹری تیار کریں گے جو اِن کے ایک چارج میں زیادہ طویل سفر طے کرنے کے مسئلے کو حل کر سکے۔لیکن مجیب اعجاز کے پاس اپنی کوئی ذاتی پراپرٹی یا ایسی کوئی چیز نہ تھی جسے فروخت کر کے وہ کسی ایسی کمپنی کا آغاز کر سکتے جو مستقبل کی جدید بیٹریاں تیار کرے، ایسے میں انہوں نے اپنا پلان بل گیٹس اور امیزون کے جیف بیزوس کے سامنے رکھا۔مذکورہ دونوں شخصیات کو اِن کا پلان پسند آیا اور انہوں نے مجیب کی کمپنی میں 25 ملین ڈالر (تقریباً 4 ارب 50 کروڑ پاکستانی روپے) کی سرمایہ کاری کر دی اور آج مجیب نے جیمینائی بیٹری ''تیار کر کے بل گیٹس اور جیف بیزوس کی سرمایہ کاری کو درست ثابت کیا۔مجیب اعجاز کی جیمینائی بیٹری ''کو ایلون مسک کی ٹیسلا موٹرز کی جانب سے اپنے گاڑیوں کے نئے ماڈل ایس کے لیے منتخب کرنا، نہ صرف مجیب کیلئے بڑی کامیابی ہے بلکہ پاکستان اور پوری پاکستان قوم کیلئے باعث فخر ہے۔آج جبکہ دنیا کی بڑی بڑی ٹیک کمپنیوں میں انڈیا کے سی ای اوز CEOs ہیں جیسا کہ گوگل اور مائیکروسافٹ وغیرہ، ایسے میں مجیب اعجاز نے ثابت کیا ہے کہ پاکستانی بھی اتنے ہی باصلاحیت ہیں۔مجیب سے متعلق دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی اسمارٹ فون ساز کمپنی ایپل'' میں بطور سینئر ڈائریکٹر بھی اپنی خدمات انجام دے چکے ہیں اس کے علاوہ وہ امریکہ کی ایک بڑی آٹو موبائل کمپنی ''فورڈ'' موٹرز سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

پاکستان اور بھارت کے جرمنی کے ساتھ سفارتی تعلقات کا جائزہ

(از منور علی شاہد۔ بشکریہ ہم سب مورخہ 12 مارچ 2023)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عالمی سطح پر سفارت کاری کے محاذ پر کامیابی اندرونی سیاسی استحکام اور معاشی طاقت سے مشروط ہوتی ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں نے 2021ء میں جرمنی کے ساتھ سفارتی تعلقات کی 70 سالہ تقریبات منائی تھیں۔ اس عرصہ میں اگر دونوں ممالک کی سفارت کاری پر نگاہ ڈالیں تو سر جھک جاتا ہے جرمنی دنیا میں پاکستان کا چوتھا اور یورپی یونین میں سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے۔ نیز یہ کہ پاکستان کو جی ایس پی پلس کا درجہ دلوانے اور گرے لسٹ سے نکلوانے میں جرمنی کا کردار نمایاں رہا ہے۔

اس لحاظ سے یہ بات سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہونی چاہیے کہ جرمنی کے ساتھ تعلقات قائم رکھنا اور مزید مضبوط تر بنانا پاکستان کے کتنے مفاد میں ہے۔ بدقسمتی سے کوئی حکومت اور ادارہ اس کی اہمیت نہ جان سکا۔ سابق وزیر اعظم نواز شریف کے نومبر 2014ء کے بعد سے کسی پاکستانی وزیر اعظم نے جرمنی کا سرکاری دورہ نہیں کیا۔ عالمی فورمز پر سرسری ملاقاتیں ضرور ہوتی رہی ہیں لیکن باضابطہ پاکستانی وزیر اعظم کے دورہ جرمنی کو 9 سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ یہی صورتحال وزارت خارجہ کی ہے۔ 8 سال بعد تیرہ اپریل 2021ء کو شاہ محمود قریشی نے جرمنی کا دورہ کیا تھا جو ستر سالہ سفارتی تقریبات کا رسمی دورہ تھا۔ اس سے پہلے حنا ربانی نے باضابطہ دورہ جرمنی 2012ء میں کیا تھا۔ اکتوبر 2022 میں بلاول بھٹو زرداری نے دورہ کیا تھا۔ گویا 12 سالوں میں صرف تین بار پاکستانی وزرائے خارجہ نے جرمنی کا دورہ کیا۔ سالوں سالوں تک پاکستانی سرکاری اہلکار جرمنی جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ سابق وزیر اعظم عمران خان کا ایک شیڈول دورہ جرمنی تھا لیکن منسوخ ہو گیا تھا۔ بعد میں سننے کو آیا تھا کہ موصوف نے بھارت کے مساوی پروٹوکول اور معاہدوں کی شرط رکھ دی تھی۔ ماضی میں کبھی کسی جرمن چانسلر نے پاکستان کا دورہ کیا؟

ایسی سفارتی کوتاہیوں اور غفلتوں کا نتیجہ پاکستانیوں اور طلباء کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ سینکڑوں مسائل سفارت خانوں میں موجود ہیں لیکن حل نہیں ہو رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ سال پاکستانیوں کو برلن میں جرمن وزارت خارجہ کے دفتر کے سامنے احتجاجی بینرز کے ساتھ احتجاج کرنا پڑا تھا۔ جرمنی کو مختلف شعبوں میں سالانہ چار لاکھ ہنر مند کاریگروں کی ضرورت ہے، اس حوالے سے کوئی منظم منصوبہ بندی حکومت پاکستان کی طرف سے سامنے نہیں آئی۔ دوسری طرف جرمنی نے پاکستان کو کتنے مواقع فراہم کیے تھے، یہ دستاویزات اور میڈیا ذرائع سے پتہ چل جاتا ہے۔ سابق حکومت کے دور میں جرمن چانسلر انجیلا میرکل نے اکتوبر 2018ء میں ٹیلی فون پر اور پھر سویٹزرلینڈ میں اکنامک فورم میں ملاقات پر عمران خان کو دورہ جرمنی کی دعوت دی تھی لیکن اس کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا اور یوں سفارت کاری کے مواقع ضائع کر دیے گئے تھے۔

اب دوسری طرف پڑوس ملک بھارت کی سفارت کاری پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ گزشتہ سال بھارتی وزیر اعظم نے دو بار جرمنی کا دورہ کیا اور ایک بار جرمن چانسلر کے ساتھ انڈونیشیا میں جی 20 کانفرنس میں سفارتی پینگیں بڑھائیں، یوں ایک سال میں تین جرمن چانسلر سے ملاقاتیں کیں۔ اس سے پہلے سابق جرمن چانسلر انجیلا میرکل نے کم و بیش تین بار بھاری وفود کے ساتھ بھارت کے سرکاری دورے کیے اور معاہدے کیے تھے۔

جرمن کمپنیوں کے سربراہان ان کے ساتھ تھے۔ فروری 2023 میں جرمن چانسلر اولاف شولس نے جرمنی کمپنیوں کے چیف ایگزیکٹیوز کے ساتھ بھارت کا اپنا پہلا دو روزہ دورہ کیا، معاہدے کیے اور بنگلور میں آئی ٹی کے بھارتی طلباء کے ویزوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس وقت تیس ہزار بھارتی طلباء جرمنی میں زیر تعلیم ہیں جو یورپ میں سب سے بڑی تعداد ہے۔ جی 20 ممالک کی میزبانی اس وقت بھارت کے پاس ہے اور ستمبر میں نئی دہلی میں سربراہی کانفرنس منعقد ہونی ہے جس میں جی ٹونٹی ممالک سربراہان شریک ہوں گے۔

ان میں یورپین یونین کی سربراہ کے علاوہ ارجنٹائن، چین، فرانس، جرمنی، انڈونیشیا، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، امریکہ، ترکی، جنوبی کوریا کے سربراہان شامل ہیں۔ اس کانفرنس کی تیاری کے لئے انہی ممالک کے وزرائے خارجہ اور خزانہ کی میٹنگز آگے پیچھے گزشتہ ہفتوں نئی دہلی میں منعقد ہوئی ہیں۔ یہ جی ٹونٹی ممالک مشترکہ طور پر عالمی اقتصادی پیداوار کے 85 کے مالک ہیں اور دنیا کی دوتہائی آبادی انہی ممالک میں آباد ہے۔ اسی ایک عالمی طاقتور گروپ میں سفارت کاری سے بھارت کیا فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کا اندازہ لگانا بالکل مشکل نہیں۔

بھارت کی یہی وہ سفارت کاری ہے جس نے مقبوضہ کشمیر پر 5 راگست 2019ء کو شب خون مار کر اس کی خصوصی حیثیت ختم کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔ ان حالات میں پاکستان کو جذبات کا لبادہ اتار کر حقیقت پسندی کی دنیا میں واپس لوٹنا ہوگا۔ موجودہ پاکستانی وزیر خارجہ یو این او میں اظہار خیال کے ملنے والے مواقع مسلسل ضائع کرتے جا رہے ہیں۔ ان کو اپنے گھر کی بات کرنی چاہیے۔ اپنے معاشی و اقتصادی مسائل کا حل سوچنا چاہیے اور مسلسل لابنگ اور سفارت کاری کرنی چاہیے جیسا کہ باقی اسلامی ممالک کر رہے ہیں۔ گنتی کے چند اسلامی ممالک کے علاوہ کسی بڑی عالمی طاقت راہنما نے کب پاکستان کا دورہ کیا ہے؟

شہباز شمسی ابوظہبی

قدم اُٹھیں گے ہمارے جب بھی تو تلملا کر جہاں اُٹھے گا
زمیں جکڑنے لگے گی ہم کو برسنے کو آسماں اُٹھے گا
ابھی تو سینہ سلگ رہا ہے ابھی نہ بدلے گا رنگ آنسو
بجھے گی جب آگ دل کی میرے تو چشم تر سے دھواں اُٹھے گا
دریچہ صبح سے پڑیں گی کسی کے جلوے کی شوخ کرنیں
یقیں کے بستر سے آنکھ ملتا ہوا ہمارا گماں اٹھے گا
چمن سے ناراض ہو کے خوشبو، چلی ہے صحرا میں گھر بسانے
سجے گا صحرا کے سر پہ سہرا جنازہ گلستاں اُٹھے گا
ترے لبوں کی لووں نے رکھی تھی جس کی بنیاد میرے لب پر
تو ہی بتا وہ کرم کا طوفان کھل کے کیسے کہا اُٹھے گا
جہاں کے منکر نکیر کیا کیا اتر کے پوچھیں گے مجھ میں شہبازؔ
خوشی کے مدفن کی خاک سے جب کفن میں لپٹا فغاں اُٹھے گا

آفتاب شاہ

پوری دنیا میں نقل اور متاثر ہونے میں فرق روا رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام میں ادب کی ترویج پروان چڑھتی نظر آتی ہے جبکہ ہمارے ہاں ادب کا زوال اس وجہ سے کہ اول تو نئے خیال کو لوگ قبول نہیں کرتے اور اگر قبولیت مل بھی جائے تو سرقہ باز موقع سے فائدہ اٹھا کر پوری تحریر ہی اپنے نام سے شائع کروا دیتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے یہ کام کوئی ان پڑھ، جاہل، ریڑھی بان یا مزدور نہیں کرتا بلکہ یہ کام وہ نام نہاد پڑھے لکھے اور بزعم خود شاعر یا ادیب کرتے ہیں جو ادب کی خدمت چوری کے خیالات سے کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے ہمارے ہاں شعراء اور مصنفین کی تو بہتات ہے لیکن عالمی سطح کی تصنیف ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

❁- ہر انسان اپنی مرضی اور مفاد کی رو سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اس مفاد کو وہ کبھی اپنی خواہش کبھی دوسروں کی رضا اور کبھی اپنی طلب کا نام دے کر وکیلا نہ زندگی کے داؤ پیچ سیکھ لیتا ہے۔ مفاد ایک ایسی چیز ہے جو محبت سے لیکر مذہب اور مذہب سے لیکر معاشرت تک ہر جگہ موجود ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے اس لیے محفوظ نہیں ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں برداشت اور لالچ کے عناصر موجود ہیں۔ برداشت انسان کو معتبر کرتی ہے اور اگر لالچ غلبہ پالے تو اس کو دربدر کرواتی ہے کیونکہ اگر یہ لالچ نہ ہوتی تو ابا آدم کبھی بھی شیطان کے بہکاوے میں نہ آتے۔

❁- پوری دنیا میں نقل اور متاثر ہونے میں فرق روا رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام میں ادب کی ترویج پروان چڑھتی نظر آتی ہے جبکہ ہمارے ہاں ادب کا زوال اس وجہ سے کہ اول تو نئے خیال کو لوگ قبول نہیں کرتے اور اگر قبولیت مل بھی جائے تو سرقہ باز موقع سے فائدہ اٹھا کر پوری تحریر ہی اپنے نام سے شائع کروا دیتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے یہ کام کوئی ان پڑھ، جاہل، ریڑھی بان یا مزدور نہیں کرتا بلکہ یہ کام وہ نام نہاد پڑھے لکھے اور بزعم خود شاعر یا ادیب کرتے ہیں جو ادب کی خدمت چوری کے خیالات سے کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے ہمارے ہاں شعراء اور مصنفین کی تو بہتات ہے۔

***

ترقی یافتہ ملک۔ رجل خوشاب

اسرائیل نے پوری دنیا کو تب حیرت میں ڈال دیا جب وہ ایک ایسا AC مارکیٹ میں لے آیا جو ہر قسم کی بجلی کے بغیر چلتا ہے اور اس کے لئے کسی کرنٹ کی ضرورت نہیں۔ آپ بس بٹن آن کریں اور یہ ہوا میں موجود گیسز سے چلنا شروع کر دے گا۔ صرف آدھے گھنٹے میں کمرے کا ٹمپریچر پندرہ ڈگری تک نیچے لے آئیگا۔ اس سے پہلے اسی ملک نے دیوار کے پیچھے دیکھنے کی ٹیکنالوجی لانچ کی تھی۔ آپ اس ٹیکنالوجی سے نا صرف دیوار کے پیچھے موجود لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں بلکے ان کی عمر کے سائز اور حرکات وسکنات بھی نوٹ کر سکتے ہے۔ یہ ملک روزانہ دنیا کو کوئی نہ کوئی نئی ایجاد دے رہا ہے، یہ وہ قوم ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی بنیاد پر چھانٹی کر کے جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ آپ دنیا کے کسی شعبے کی کوئی بھی چیز اُٹھا کر دیکھ لیں آپ کو اُس کے پیچھے اسی ملک کا کی کمپنی، لیباٹری یا کوئی سائنسدان ملے گا۔

دنیا کی پہلی الیکٹرک کار اسی ملک میں بنی، دنیا کا پہلا موبائل فون اسی ملک نے بنایا، سائبر سیکورٹی کا جدید ترین سسٹم یعنی فائر وال بھی اسی ملک نے بنایا۔ میڈیکل کی بیاسی فیصد مشینیں اسی ملک میں ایجاد ہوئی، دنیا کی تمام بڑی آئی ٹی فرمز اور آئی فون کے تمام سوفٹ ویئرز سمیت ہارڈ ویئر اسی ملک میں بنتے ہیں اسی ملک نے دو ہزار اٹھارہ میں ایسی ڈیوائس بنائی جو سونگھ کر مریض کے تمام امراض بتا سکتی ہے یہ ڈیوائس سنف فون کہلاتی ہے مفلوج لوگوں کے لئے ری واک کے نام سے مشین بنائی اور مفلوج لوگوں نے اس مشین کے ذریعے باقاعدہ چلنا پھرنا شروع کر دیا۔ کیپسل سائز کا پل کیم کیمرا بنایا، مریض یہ کیپسل نگلتے ہے اور یہ کیمرہ انکے جسم کے سارے اندرونی اعضا کا جائزہ لے کر باہر آجاتا ہے اسی ملک نے دل کے لئے ربڑ جیسا فلکیسبل سٹنٹ بھی بنایا یہ ایجاد اب تک کروڑوں لوگوں کی جان بچا چکی ہے دنیا کو پہلا آئی سی کیو اسی ملک نے اُنیس سو چھیانویں میں دیا تھا یہ ایجاد دنیا میں سوشل میڈیا کا آغاز ثابت ہوئی دنیا کی پہلی یو ایس بی اسی ملک نے بنائی صحرا میں فصلیں اُگانے کے لیے نیٹ اے فارم جیسا ایریگیشن سسٹم بنایا اور اس سسٹم نے صحراؤں کو کھیتوں میں بدل دیا اس ملک نے ہوا سے پانی بنانے کے ٹیکنالوجی واٹر جن بھی متعارف کروائی کیڑے مکوڑے مارنے کی محفوظ ترین ٹیکنالوجی بائیو بی بھی اسی ملک نے متعارف کروائی دنیا کو نیویگیشن یعنی جی پی ایس کا سسٹم بھی اسی ملک نے دیا جس کے ذریعے دنیا بھر کے مسافر دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں اسی ملک نے انسانوں اور جانوروں کی شناختی ڈیوائسس بنائی اور خوراک، کپڑوں، جوتوں اور سواری کے نئے سسٹم بھی متعارف کروائے۔

آپ ایمازون سے لے کر اُوبر تک کسی بھی کمپنی کے سوفٹ ویئر کا مطالعہ کر لیں آپ کو اس کے پیچھے اسی ملک کے ذہین ترین ماہرین ملین گے آپ اس چھوٹے سے ملک کو دیکھیں اور اس کے بعد پاکستان کو دیکھیں، ہمارے صرف شہر لاہور کی آبادی اس ملک کی کل آبادی کے قریب قریب ہے لیکن ہم اپنی ضرورت کی خوراک تک پیدا نہیں کر پا رہے ہم کھانے کا تیل، گندم، دالیں، پیٹرول اور گیس تک امپورٹ کرتے ہیں ہمارے ملک میں ہماری ضرورت کے مطابق پیٹرول اور گیس دونوں موجود ہے لیکن ہم اسے نکالنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور ہم اگر اسے نکال بھی لیں تو ہمارے اپنے لوگ پائپ لائن کو اُڑا دیتے ہیں ہم اس ملک میں فوج کی پوری ڈویژن کے بغیر گیس اور پیٹرول کے لئے ڈرلنگ نہیں کر سکتے ہم نے کچھ عرصہ پہلے بنوں میں گیس کا بہت بڑا ذخیرہ دریافت کیا لیکن مقامی لوگ پائپ لائن نہیں بچھانے دے رہے ہمارے ملک کا ستر فیصد رقبہ زرعی ہے ملک میں دو درجن بڑے دریا ہیں مون سون میں صرف آٹھ بارشیں ہوئی اور ہمارا تیس فیصد رقبہ پانی میں چلا گیا جب کے دوسری جانب ہم مدد کیلئے عالمی برادری کی طرف دیکھ رہے ہیں ہم آج بھی میٹرو، اوورہیڈ، ریلوے، پی آئی اے، موٹروے اور انٹرسٹی بس سروس پر جھگڑ رہے ہیں ہم ملک میں ویکسین تک نہیں بنا پا رہے اپنے بچوں کو پولیو کے قطرے تک پلانے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ہمارے اندر گلیوں کا کوڑا تک اُٹھانے کی اہلیت نہیں آپ ملک کا کوئی ایک صاف ستھرا کونا دیکھا دیں یا کوئی ایک شہر بتا دیں جس کے شہریوں کو صاف پانی اور اصلی خوراک مل رہی ہو۔ آپ دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجیے کیا ہمیں قوم کہلوانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

محمد سعید... روٹی بندہ کھا جاندی اے

گرمیوں کی راتیں تھیں اور پھر عرب کی گرمی۔ پلانٹ آپریشن سٹیج پر تھا۔ پروڈکشن ہو رہی تھی۔ ٹربائن والی عمارت میں درجہ حرارت باہر سے بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ بالخصوص اس کا وہ فلور جس پہ ٹربائن چل رہی ہوتی ہے۔ ساٹھ ڈگری سے زیادہ درجہ حرارت رکھتا ہے۔ یہ چھبیس سو میگا واٹ کا پاور پراجیکٹ تھا۔ جس میں ہم سال بھر سے کام کر رہے تھے۔ آپریشن ٹیم گاہے بگاہے چکر لگاتی ہے ان کے علاوہ ایک بندہ جو ہمیشہ وہاں رہتا ہے۔ اس کا کام پوری عمارت میں گشت کرنا ہوتا ہے اور کسی ایمرجنسی کی صورت میں فوراً اپنے انچارج کو اطلاع دینی ہوتی ہے۔ وہ رات کی شفٹ میں ڈیوٹی پہ مامور تھا۔ ہم لوگ بھی رات کی ڈیوٹی پہ تھے مگر دوسری جگہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ کام کے اوقات مکمل ہوئے۔ طلوع سحر کے وقت کمروں میں پہنچے۔ رات بھر کی تھکان تھی بستر پر پڑتے ہی سو گئے۔ کچھ وقت ہی گزرا کہ دروازہ زور سے بجنے لگا۔ ڈر کے یکدم اُٹھے۔ باہر دیکھا تو شرطے (پولیس) موجود تھی۔ یہاں کی پولیس بڑی دہشت رکھتی ہے۔ ہم ابھی آنکھیں ملتے ہوئے معاملے کو سمجھنے کی کوشش میں تھے کہ ہمارا کورین مینیجر بولا کہ رات قتل ہو گیا ہے۔

یہ پولیس رات سائٹ پہ موجود سب لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے آئی ہے۔ مختصر یہ کہ ہفتہ بھر جان سولی پہ لٹکی رہی مختلف پہلوؤں سے تفتیش ہوئی۔ جب تک اسکی وفات کا سرا انکے ہاتھ لگا نہیں تب تک ہم لوگ مشکل میں رہے۔ معاملہ کھلا کہ وہ رات اپنے معمول کے مطابق گشت پہ تھا تو ٹربائن ایریے میں گرمی کی شدت برداشت نہیں کر سکا۔ ہیٹ سٹروک نے آ لیا۔ وہ وہاں سے ساری ہمت جمع کر کے بھاگا مگر سنبھل نہیں پایا اور نیچے پہنچنے تک سیڑھیوں سے لڑھکتا رہا۔ باہر نکلنے تک اس کی سانسیں اس کا ساتھ چھوڑ چکیں تھیں۔ یہاں اصل امتحان شروع ہوا۔ جب تک موت کی وجہ نہیں جان پائے تب تک اس کی فیملی کو کچھ نہیں بتایا گیا۔ واٹس ایپ کا دور ہے پل پل رابطہ کرنے والے جب یوں بچھڑتے ہیں۔ کہیں دور ہوتے ہیں۔ خاص طور پر دیار غیر میں تو گھر والوں کی جان پہ بن آتی ہے۔ بیوی ماں بچے سب پریشان تھے۔ انکا اضطراب تو وہی جان سکتے کہ کس قدر تھا۔ کوئی ڈیڑھ مہینے بعد اسکی میت کو یہاں سے گھر بھجوایا گیا۔ کمپنی نے اور دوستوں نے کوشش کی سب نے مل کر ساتھ دیا۔ وہ اپنے گھر کو لوٹا۔ کیونکہ اسکے گھر والے بالخصوص اسکی والدہ اس بات پہ انتہائی پریشان تھی رو رو کے برا حال تھا۔ ایک ہی بات کہتی تھیں کہ میں نے سب دکھ اسکی رضا سمجھ کے قبول کر لیا۔ مگر اس کو گھر بھیج دو۔ میں اپنے بیٹے کو آخری دفعہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ تو ویزے والا تھا۔ باقاعدہ قانونی معاملات مکمل تھے تو یہ سب ممکن ہو پایا کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گیا۔ اٹلی میں کشتی اُلٹی بیسیوں پاکستانی جاں بحق ہوئے ہیں۔ اکثر و بیشتر ایسے واقعات سننے کو ملتے ہیں۔ ان ماؤں کا کیا ہوتا ہوگا۔ کئی تو سمندری لہروں کی نذر ہو جاتے ہوں گے۔ کئی بارڈر کراس کرتے گولیوں کا نشانہ بن کر انہی پہاڑوں پہ ہی پڑے رہ جاتے ہوں گے۔ ان کی ماؤں پہ کیا گزرتی ہوگی۔ ساری زندگی کی سسکیاں انکا مقدر ٹھہرتی ہیں۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے، مجبوریوں کا بوجھ بانٹنے کے لیے، نسل در نسل چلتے قرضے کو اُتارنے کے لیے، بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے، ایک پرسکون چھت کی خواہش لیے گھر بار چھوڑ کے لوگ دیس پردیس نکلتے ہیں۔ مگر خدارا اپنے پیاروں کو اندھی کھائی میں مت دھکیلیں۔ ڈالروں اور یورو کی چکاچوند سے متاثر ہونے کی بجائے ان ممالک میں بھیج دیجیے جہاں بآسانی سے قانونی رستے موجود ہیں۔ زیادہ کی خواہش میں ہمیشہ کی جدائی کا آنکھوں دیکھا روگ مت خریدیئے۔ اور وہ نوجوان جو ایسی خواہشیں رکھتے ہیں وہ ایسا قدم اُٹھانے سے پہلے ایک دفعہ تصور کریں کہ سمندری موجوں میں بہتی بیٹے کی لاش کے دکھ میں سسکتی ماں کو دیکھ سکتے ہو کیا؟

طفیل عامر

کیا ہوا گر کسی کو کسی کا بھی ڈر نہ ہو
کچھ اس طرح سے دُنیا کی، لیکن بسر نہ ہو
قانون نام ہی کو ہے اس پر عمل نہیں
انسانیت کے نام پہ بھی کچھ اثر نہ ہو
تُو جس کو ڈھونڈتا ہے ملا وہ کسی کو کب
اب بھی ہے وقت، مان میری، در بہ در نہ ہو
مِل بیٹھیں مل کے بھائی، یہ ممکن نہیں رہا
اب لاکھ چاہے کوئی بھی، ایسا مگر نہ ہو
عامر یہ بددُعا کوئی دشمن کو بھی نہ دے
رستے میں دُھوپ ہو کڑی، کوئی شجر نہ ہو

جہانِ رنگ کراچی اور بزمِ علم و ادب گلاسگو کے زیر اہتمام ماہانہ گلوبل مشاعرہ

رپورٹ مرتبہ اشعر عالم عماد میڈیا کوارڈینیٹر ۔ جہان رنگ کراچی

فروری بروز ہفتہ جہانِ رنگ کراچی اور بزمِ علم و ادب گلاسگو کے زیر اہتمام ماہانہ گلوبل مشاعرہ بذریعہ زوم اہتمام کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت ڈاکٹر فراز حامدی صاحب نے فرمائی جبکہ مشاعرے کی مہمانانِ خصوصی ثمینہ رحمت منال صاحبہ لندن سے اور ونیتا شرما صاحبہ انڈیا سے تھیں۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض بزمِ علم ادب گلاسگو کے چیئرمین جناب مبشر شہزاد نے گلاسکو سے جبکہ شازیہ عالم شازی نے کراچی سے بذریعہ زوم انجام دیئے۔ ان تنظیموں کے باہمی اشتراک سے پیش کئے جانے والے مشاعروں کی انفرادی اور خاص بات یہ ہے کہ جس ماہ یہ مشاعرہ منعقد ہوتا ہے اسی ماہ کے کسی شاعر کے یومِ پیدائش یا وفات پر ان کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں فروری کی مناسبت سے مرزا اسد اللہ خان غالب کی وفات کے دن کو تجویز کیا گیا تھا مشاعرہ کا آغاز کرتے مبشر شہزاد صاحب نے ان اشعار کے ساتھ کیا۔

''اردو کی شان و شوکت علم و ادب کی عظمت
فضلِ خدا سے ہر سو اردو مشاعرے ہیں
یہ رنج و غم مٹائیں جینے کا فن سکھائیں
باغِ ادب کی خوشبو اردو مشاعرے ہیں''

''تمام حمد ہے اس خالقِ اذل کے لیئے
سکوں جھیل کو دیتا ہے جو کنول کے لیئے
میں اس کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے کلام
وہ جن کے نام فرشتوں نے بھی سنبھل کے لیئے''

ناظمِ مشاعرہ مبشر شہزاد نے ساحر شیوی کے حمدیہ اور مخمور دہلوی کے نعتیہ اشعار پیش کئے۔ مشاعرے کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے صدرِ مشاعرہ جناب فراز حامدی صاحب کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کا اصل نام واحد حسین خان ہے آپ کا تعلق راجستان انڈیا ہے آپ جے پور میں مقیم ہیں۔ ان دنوں محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہیں اب تک آپ کی بہت سی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں سے 14 کتابیں مختلف شخصیات پر ہیں۔ آپ کو بہت سے علمی و ادبی ایوارڈز مل بھی چکے ہیں۔

کراچی سے شازیہ عالم شازی نے نظامت سنبھالتے ہوئے سامعین کو ادبی تنظیم جہانِ رنگ کراچی اور بزمِ علم و ادب گلاسکو کے ادبی سرگرمیوں کا مختصر تعارف پیش کیا۔ شازیہ عالم شازی نے مرزا غالب کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیئے اپنا مقالہ سامعین کو پڑھ کے سنایا اپنے مقالے میں انہوں نے غالب کی یومِ پیدائش سے لیکر ان کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل و مصائب کا خصوصی ذکر کیا اور ان کے دیوان سے منتخب اشعار نذرِ سامعین کئے۔ اس کے مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز ہوا اور آنے والے تمام شعراء نے اپنے کلام سے قبل خراجِ عقیدت کے طور پر غالب کے چند اشعار بھی پیش کئے مشاعرے

میں منتظمینِ مشاعرہ مبشر شہزاد گلاسگو، شازیہ عالم شازی کراچی کے علاوہ عبدالباسط انور دبئی، شائق نصیر پوری، منور احمد کنڈے، عاصی صحرائی، ثمینہ رحمت منال لندن، عبدالحمید حمیدی کنیڈا، ڈاکٹر اسحق ساجد، جرمنی، ونیتا شرما، سریتا جین، ڈاکٹر ممتاز منور انڈیا سے اشعر عالم عماد کراچی، نجمہ محبوب نجمہ اوکاڑہ پاکستان سے جبکہ صدرِ مشاعرہ فراز حامدی صاحب نے جے پور انڈیا سے اپنا کلام پیش کیا۔ مشاعرے کے اختتام سے قبل صدرِ مشاعرہ فراز حامدی صاحب منتظمینِ مشاعرہ کی ادبی کاوشوں کو بے حد سراہا اور مشاعرے میں شریک تمام شعراء کو عمدہ کلام پیش کرنے پر مبارک باد پیش کی۔ مبشر شہزاد نے دعائیہ کلمات کے ساتھ تمام حاضرینِ محفل کا شکریہ ادا کیا اور مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا۔

لاہور بک فیئر اور بچوں کا ادب

غلام محی الدین ترک

آج سے لاہور ایکسپو سینٹر میں بک فیئر شروع ہو رہا ہے۔ کتابوں سے محبت کرنا اور انہیں خرید کر پڑھنا میرے نزدیک انسان کے زندہ رہنے کی نشانی ہے۔ یہ میلہ بھی زندگی کی نشانی ہے۔ اس میلے میں جہاں سینکڑوں پبلشرز اپنی بہترین اور دل چسپ کتابوں کے ساتھ حاضر ہوں گے، وہیں میری خصوصی دلچسپی عرفان جاوید کی تازہ ترین کتاب آدمی نامہ اور عامر خاکوانی کی واز وان سے وابستہ ہے۔ دونوں ہی کیا شاندار قلم کار ہیں۔ الفاظ کا انتخاب، چست جملے اور موضوعات کا تنوع۔ اس میلے میں جانے والوں کو یہ دو کتابیں تو ضرور لینی چاہئیں۔ لیکن میری یہ پوسٹ بچوں کے ادب سے متعلق ہے۔ بچوں کا ادب جسے برسوں سے نظر انداز کیا جا رہا ہے مگر شاباش ہے محمد فہیم عالم پر۔ پاکستان اور بیرون پاکستان سے تعلق رکھنے والے ادیبوں کی بچوں کے ادب میں ایسی شاندار کتابیں شائع کی ہیں کہ دل خوش ہو جاتا ہے۔ محمد فہیم عالم کا بچوں کا کتاب گھر اس میلے میں آپ کو پوری تیاری کے ساتھ نظر آئے گا۔ بچوں کے لیے تسلسل کے ساتھ بہترین اور معیاری کتابیں چھاپنا اس ادارے کی روایت ہے۔

سیرت، تراجم، مزاح، طبع زاد، انتخاب، غرض سب ہی کچھ تو اس ادارے نے شائع کر دی ہیں، ان ہی میں سے ''چٹو روئی کا گالا'' حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے، جو بچوں کے اردو رسائل سے بہترین اور شاہ کار کہانیوں کے انتخاب پر مبنی ہے۔ اس کتابی سلسلے کو عظیم استاد اور معروف ادیب نذیر انبالوی نے ترتیب دیا ہے، ماضی میں بچوں کے ادب کا انداز کیسا تھا، لکھنے والے کن موضوعات پر طبع آزمائی کرتے تھے، دل چسپ کہانیاں کیسی ہوتی ہیں؟ اور اس قسم کے تمام سوالات کے جواب بچوں کے ادب کی الف لیلہ نامی اس سلسلے کو پڑھ کر آپ حاصل کر سکیں گے۔ چٹو روئی کا گالا اس سلسلے کی گیارہویں کتاب ہے اس کے علاوہ سائنسی بابو ڈاکٹر طارق ریاض خان کی سانولا خرگوش، رحمت کی بارش (امجد جاوید) سرخ قلعے کا خونخوار (شہباز اکبر الفت، آخری کتاب (ڈاکٹر سلمان غزالی) فارم ہاؤس (نورین عامر) نئی حماقت (عماد حسن) رول ماڈل (قرۃ العین ہاشمی)، میرا آئیڈیل (عاطر شاہین) کے علاوہ درجنوں کتابیں اس کے علاوہ ہیں میرے پسندیدہ ادیبوں میں سے ایک جاوید بسام کی نئی کتابیں لکڑی کے سپاہی، خرگوش کا پراسرار مہمان کے ساتھ ساتھ اس میلے میں کاوش صدیقی کی نئی کتاب حارث بھی موجود ہوگی۔ کاوش صدیقی کے ناول سرمد نے کراچی میں دھوم ہی مچا دی تھی۔ اس اسٹال پر صدارتی ایوارڈ یافتہ ادیبوں محمد فہیم عالم، راحت عائشہ کے ساتھ ساتھ احمد عدنان طارق، نوشاد عادل، نذیر انبالوی، امجد جاوید، ندیم اختر، اکمل معروف، عارف مجید عارف کی کتابیں بھی نظر آئیں گی۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو آپ کے بچوں کے چہروں پر خوشیاں بکھیر دیں گی، ان کے تخیل میں اضافہ کریں گی، کراچی سے ابن آس بھی اس میلے میں شرکت کے لیے نکل چکے ہیں تو آپ تو پھر لاہور کے زندہ دل شہری ہیں تو پھر آیئے، قدم بڑھایئے، ہال 1، اسٹال نمبر 10,P,7۔ بچوں کی کتابیں چھاپنے والے دوسرے اداروں کی کتابوں کے بارے میں بات کرتے ہیں کسی اگلی پوسٹ پر۔

ثاقبؔ محمود

زندگی جینے کا یہ طور نیا رکھا ہے
درد کا نام بھی اب ہم نے دوا رکھا ہے
حسرتیں رہنے کا امکاں ہی نہیں ہے دل میں
آرزوؤں کا نشاں ہم نے مٹا رکھا ہے
سوز و غم ہیں یا کہ ارماں ہیں کوئی، کیا معلوم
دل کے حالات کو سینے نے چھپا رکھا ہے
ڈوبنے والے نے تنکے کا سہارا نہ لیا
پر ترے نام کو سینے سے لگا رکھا ہے
گر جو فطرت میں وفا رکھی ہے تو لازم ہے
اس جہاں میں ہی کہیں اجرِ وفا رکھا ہے
میں نے جس دل کو ترے قدموں تلے رکھا تھا
تُو نے اس دل کو دُکھانا ہی روا رکھا ہے
غمِ فرقت میں تڑپتی ہے ہر اک شے ثاقبؔ
شور سا دل نے بھی سینے میں مچا رکھا ہے

بھاگا نہیں جا سکتا

مظہر برلاس

ابھی سری لنکا دیوالیہ نہیں ہوا تھا مگر سری لنکا کے حالات ابتر تھے۔ مستقبل بین اس کا احساس رکھتے تھے۔ اسی دوران کولمبو میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اسی اثناء میں ایک معاشی دانشور کو اسٹیج پر بلایا گیا تو ہال میں موجود تمام لوگ اپنی نشستوں سے احتراماً کھڑے ہو گئے اور تالیوں کی آواز پورے ہال میں گونجنے لگی۔ دانشور نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر گویا ہوا تو ہال میں سکوت طاری ہو گیا۔ گفتگو کے آغاز ہی میں اس نے سری لنکا کے معاشرے میں موجود کرپٹ نظام کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ کہنے لگا کہ ''اگر آج میں سری لنکا کے معاشرے کو ایک لیبل دوں تو یہ تقریباً پچھلے 75 سال سے بری طرح کرپٹ لوگوں کے شکنجے میں ہے۔ بحیثیت قوم ہماری مجموعی حالت اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ ہم مسلسل پیچھے کی جانب جا رہے ہیں۔ موجودہ صورتحال کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو سری لنکا اس وقت تباہی کے دہانے پر آن کھڑا ہے نا صرف معاشی تباہی بلکہ اخلاقی طور پر بھی گراوٹ کا شکار ہے۔ اخلاقیات کا دامن ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے اور ہم صحیح اور غلط کے فرق سے مکمل غافل ہو گئے ہیں۔ لوگوں میں انصاف کے حصول کی امیدیں دم توڑ گئی ہیں اور انصاف کا احساس اس وقت مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے۔ ایک ہیجانی سی کیفیت نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ملک میں موجود اشرافیہ اور اعلیٰ ترین قیادت اس بات سے بے نیاز ہے کہ ملک کس ڈگر پر چل رہا ہے۔ اس ملک کی اعلیٰ ترین قیادت سے لے کر نچلے طبقے تک معاشرے کا حال عجیب و غریب ہے۔ پیسے کے حصول کیلئے تمام طبقات حد سے گزر جاتے ہیں''۔ کچھ دیر کیلئے معاشی دانشور نے توقف کیا اور پھر قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی خاطر کاٹ دار الفاظ میں کہا ''یہ کس طرح کی آزادی ہے جس کا جشن ہم 4 فروری کو جوش اور ولولے سے مناتے ہیں۔ 21 توپوں کی سلامی دی جاتی ہے، کہیں پرچم کو لہرایا جاتا ہے تو کہیں سڑکوں پر فوجی دستوں کی پریڈ دکھا کر ہم دنیا کو یہ باور کراتے ہیں کہ ہم ایک عظیم ملک ہیں۔ حالیہ صورتحال کی اگر بات کی جائے تو تاریخی طور پر ہم سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ ان میں سے سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ جب کھلا اقتصادی نظام ملک میں متعارف کروایا جا رہا تھا تو مقامی اداروں کو مکمل طور پر گلے لگایا گیا۔ سری لنکا میں مقامی طور پر پیدا ہونے والی تقریباً ہر چیز کو بیرونی ممالک سے درآمد کر کے اسے ایک منحصر معیشت بنایا گیا۔ اگر آپ اس وقت بھارت کی معیشت کا جائزہ لیں تو تجارتی خسارہ مکمل طور پر ان کے حق میں جاتا ہے لہٰذا بھارت، چین کے ساتھ تجارتی خسارے کی بحث میں برابری نہیں رکھتا۔ ہماری مجموعی حالت یہ ہے کہ ہم میں اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں کہ ہم حالات کا صحیح رخ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ میں یہ سب اس لئے آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ آپ کو نقصانات کا حقیقی ادراک ہو سکے۔ ہمارا ملک جس قدر قرضوں میں ڈوبا ہوا ہیاس سے راہ فرار مشکل ہے۔ اب وقت ہے کہ ہمیں قرضوں کی اس دلدل سے نکلنا ہوگا مگر ملک مزید قرضے لینے کا خواہاں ہے''۔

معاشی دانشور نے آئینہ دکھایا مگر سری لنکا کی اشرافیہ نے کوئی سبق نہ سیکھا پھر نتیجہ یہ نکلا کہ سری لنکا دیوالیہ ہو گیا۔ چند روز پہلے مجھے ایک ٹی وی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا۔ قومی اسمبلی کے سابق رکن ہمارے پیارے راوین وقاص اکرم شیخ فرما رہے تھے کہ ''اس وقت پاکستان کو کاریگروں کی ضرورت ہے جو پاکستان کو چلا سکیں۔ جو کہانیاں نہ سنائیں، جو تقریریں نہ کریں جو صرف کام کریں۔ ہم جس نہج پر پہنچ چکے ہیں وہاں باتوں کی نہیں عمل کی ضرورت ہے۔ اب تو ہر پارٹی سے آواز آ رہی ہے کہ ہم ڈیفالٹ کے قریب پہنچ چکے ہیں بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ٹیکنیکلی ڈیفالٹ کر چکے ہیں۔ یہ جو کچھ عرصہ پہلے ماہرین کے روپ میں آئے تھے انہوں نے تو حد ہی کر دی ہے۔ ممبران اسمبلی کو سوچنا چاہیے کہ انہیں لوگ ووٹ دے کر اسلام آباد بھیجتے ہیں، مہنگی گاڑیوں میں بٹھاتے ہیں اسلئے نہیں کہ ان کی شکلیں زیادہ خوبصورت ہیں بلکہ وہ تو اس لئے ووٹ دیتے ہیں کہ ان کے کام ہو سکیں۔ اب اس وقت جیک جنریشن آ گئی ہے، جیسے ایک لیڈر کا بیٹا ایک سیٹھ کے جہاز استعمال کرتا ہے تو دوسرے لیڈر کے بچے کبھی جہاز اور ہیلی کاپٹر استعمال کرتے ہیں۔ جس ملک میں کھانے کیلئے روٹی نہیں، لوگوں کے پاؤں میں جوتین ہیں وہاں حکمرانوں کے بچے پرائیویٹ جہازوں پر سفر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں کی اشرافیہ کا عوام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ عوامی مسائل سے اس ملک کی اشرافیہ کا تعلق برسوں پہلے ٹوٹ گیا تھا اب صرف لڑائی باقی ہے''۔ میں نے سری لنکا کے ایک معاشی دانشور کی گفتگو آپ کی خدمت میں

پیش کی اور پھر ایک پاکستانی سیاست ان کی باتیں سنائیں۔حالات ہمارے ہاں بہت مخدوش ہیں۔لوگوں کا زندگی سے رشتہ بحال رکھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ہر طرف بھوک بکھری پڑی ہے۔غربت بازاروں سے ہوتی ہوئی گھروں تک آن پہنچی ہے۔انہی حالات کے پیشِ نظر ایک شاعر کہتا ہے۔

زندگی ہے کہ اک حسین سزا زیست اپنی ہے غم پرائے ہیں
ہم بھی کن مفلسوں کی دنیا میں قرض کی سانس لینے آئے ہیں

یہی باتیں عمران خان کر رہا ہے۔اس وقت پاکستانی سیاست میں سب سے طاقتور آواز عمران خان کی ہے، وہ جب بولتا ہے تو اس کی باتیں لوگوں کے دلوں میں اترتی ہیں۔ابھی آپ نے جام پور دیکھا ہے۔کچھ عرصہ بعد آپ پورا ملک دیکھیں گے۔بھاگنے والے کہاں تک بھاگ سکتے ہیں۔الیکشن ہو کر رہیں گے اور عمران خان کی جیت الیکشن کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔اس وقت پاکستانی عوام اور اشرافیہ کا جو تعلق ہے اسے نوشی گیلانی کا یہ شعر واضح کر رہا ہے۔

محبت میں کہیں گم ہو گیا ہے مرا تجھ پر یقیں کم ہو گیا ہے

نصرت عتیق، گورکھپور

یہ محبتوں کا جو رشتہ ہے یہ بھی دیکھنے میں عجیب ہے
کہیں میرا دشمن جاں ہے وہ تو کہیں وہ میرا حبیب ہے
وہ جو جان سے بھی عزیز تھا کہیں راستے میں بچھڑ گیا
وہ جو نفرتوں میں شمار تھا وہی آج میرا نصیب ہے
تجھے کیا خبر تری یاد میں میں تڑپ کے روتی ہوں رات دن
تجھے کیا پتہ کہ تو کس قدر میرے جان و دل کے قریب ہے
مری سانس سانس تری مہک مری خواہشوں میں تری کسک
میں تری مریض ہوں مستقل تو مری دوا ہے طبیب ہے
یہ کسک بھی کیسی ہے ہم نفس تجھے اس کسک کی ہے کچھ خبر
تو قریب ہو کے بھی دور ہے کوئی دور ہو کے قریب ہے
میں سمجھ سکی نہ ابھی تلک ترا منشا تیرے مزاج کو
میری زندگی مجھے کیا خبر ترا فلسفہ بھی عجیب ہے
جو اُٹھائے پھرتی ہے جا بجا یہ ہے کون نصرتؔ بے نوا
یہ جو اس کے شانوں پہ ہے سجی یہ تو چاہتوں کی صلیب ہے

غیر صحتمند جذباتی انحصار
بیمار محبت۔کوڈیپینڈینسی !!!

مریم زیبا۔ پی آر سی پاکستان

آیئے عام عادات کا جائزہ لیں جس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کہیں انجانے میں ہم اس سنگین بیماری کا شکار تو نہیں!!

1-آپ دوسرے بندے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے جی ہاں یقیناً ایسا ہونا رومانٹک تصور کیا جاتا ھے مگر آپ کو راز کی بات بتاؤں یہ بیمار زہنیت کی بہت بڑی علامت ہے!اصل میں یہ تعلق نہیں بلکہ غیر صحت مند انحصار ہے!یہ رومانٹک نہیں اور نہ ھی مطمئن کرنے والی ہے۔اپنی زات کے مکمل وجود کو جانئے، آپ ایک مکمل اور با اختیار انسان ہیں، دوسرے شخص کی کمپنی سے لطف ضرور اٹھایئے مگر دوسرے کا آدھا دھڑ نا بنے رہیں جو نامکمل ھے اور کسی اور پر اپنی تکمیل کے لئے انحصار کرتا ھے!یقین کیجئے آپ کی ذات ھی وہ اصل لذیذ کیک ھے اور باقی لوگ اس کے اوپر والی کریم جسکی کیک کے بغیر اپنی کوء حیثیت نہیں ہوتی!

2-جب آپ کے دل میں توقع ہوتی ہے کہ دوسرا شخص کسی خاص انداز کا رویہ رکھے۔کاش میرا میاں فلاں فلم کے ہیرو کی طرح میرے لئے روز پھول لے کر آئے۔وہ میرے ساتھ ایسے کیوں نہیں بات کرتا جسطرح فلاں کا میاں بات کرتا ہے، وہ ہر وقت یہ کیوں نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ...یعنی آپ کو یہ محسوس کرنے کے لئے کہ دوسرا شخص آپ سے محبت کرتا ہے اس کو خاص آپ کی مرضی کا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے!اگر آپ کی ایسی سوچ ہے تو اس مرض کا شکار ہو گئے ہیں!

3-آج صرف اس کی وجہ سے میرا سارا موڈ خراب ہو گیا''تمھاری اسی بات نے مجھے غصہ دلایا...بچے تو میرا دماغ خراب کر دیتے ہیں!!یہ جملے چیخ چیخ کے اعلان کر رہے ہیں کہ آپ اپنے جذبات اور ذہنی حالت کا مورد الزام دوسروں کو ٹھہرا رہے ہیں اور یہ کوڈیپینڈینسی کی بہت بڑی علامت ہے!یقین کیجئے اپنے جذبات کے ذمہ دار آپ خود ہیں...مطمئن ہونا خوش ھونا کسی اور کی زمہ داری نہیں۔

4-آپ دوسرے شخص کو گویا پال رہے ہیں مجھے دیر ہو گی تو وہ کھانا

کیسے کھائیں گے؟ کپڑے کیسے بدلیں گے؟ کیا وہ دودھ پیتے بچے ہیں؟ اوہ نہیں وہ 35 سے اوپر کے ذمہ دار شخص ہیں مگر آپ کو پتہ ہے نا وہ میرے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ ہے بیبی سیٹنگ!! اور سو فیصد کوڈی پنڈنسی ہے..جب ہم بالغ ہو جاتے ہیں تو ہمارے رشتے بھی بالیدگی سے گزرتے ہیں، پھر بھی اگر ہم دوسرے شخص کو بے جا ماؤں جیسی شفقت دیتے ہیں تو گویا اس کو اپاہج بنا دیتے ہیں، شعوری طور پر بالغ ہونے کا مطلب یہ سمجھ لیں کہ اب ہم الحمد اللہ اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ خود اپنا خیال رکھ سکیں اور دوسروں پر غیر ضروری بوجھ نہ بنیں، ایک بچہ، مظلوم اور بے یارومددگار، معذور فرد نہیں بلکہ ایک ذمہ دار مکمل انسان!!

5۔ آپ حالات کو قابو کرنے کی کوششوں میں ہلکان ہو رہے ہیں!! جب ہم دوسرے شخص کو قابو کرنا چاہتے ہیں تو گویا خوف میں مبتلا ہیں نا کہ محبت میں! آپ دوسرے بندے کو قابو کرنے کا خیال، رشتے کے کمزور ہونے کا خوف اور دوسرے کے انتخاب...ان سب کو چھوڑ دیجئے بس یقین کیجئے کہ یہ سب خود ہی کامل طریقے سے طے پائے گا! اللہ پر بھروسہ کیجئے وہ تقدیر کا مالک ہے اس نے آپ کو دوسروں پر نہیں آپ کے اپنے اوپر نگران بنا کر بھیجا ہے اور اسی کا آپ کو حساب دینا ہے اور بخدا آپ کا یہ خیال کہ آپ دوسرے کے خیالات کی نگرانی کر کے کچھ مرضی کا حاصل کر لیں گی ایک بہت بڑی بھول ہے! اللہ پر بھروسہ کیجئے اسی کے ہاتھ میں سب لوگوں کے دل ہیں دوسرا شخص میری اور آپ کی ہی طرح ایک کمزور بندہ ہے!!

چوہدری محمد علی
مضطر عارفی

اکھاں دی رکھوالی رکھ
عینک بھانویں کالی رکھ
جیویں رات ہنیری اے
دل دا دِیوا بالی رکھ
اُتوں راون نچّن دے
وِچّوں رام دوالی رکھ
غُصّہ، گلّا، کام، کرودھ
اپنے سپ نہ پالی رکھ
اِکّو یار نال یاری لا
دشمن پیتی چالی رکھ
چنّاں دل دیاں گلّاں نوں
گلّیں باتیں ٹالی رکھ
مضطرؔ! منزل آپہنچی
جوڑی کھول پنجالی رکھ

تانیثی شاعری کا معتبر حوالہ

مظفر احمد مظفر حال مقیم لندن

ماہرینِ علوم ساختیات اللِسانیات Linguists structuralists کے مطابق ہر زبان کی اپنی ایک ساخت ہوتی ہے اور ہر صنف کی شاعری کی اپنی الگ پہچان dentify ہوتی ہے۔ اردو شاعری کو سمجھنے اور اس کی لطیف اور تہہ در تہہ معنویت Spirituality اور رمزیت Symbolism و دل میں اتارنے کے لئے زندگی کا قریب سے مشاہدہ ضروری ہے۔ غزل کی اشاریت طویل تجربے، مراقبے مشاہدے اور مجاہدے سے عبارت ہے۔ شاعر تنگ نظری منافقت اور تعصب کے سبھی چشمے اتار کر بساط غزل پر قدم رکھتا ہے جہاں قدم قدم پر جراحتوں کی چمن زار ہیں۔ جہاں کبھی پھولوں اور کبھی کانٹوں سے نباہ کرنا پڑتا ہے اہل گلشن کی بے مہریاں قسمت کی بے ثباتیاں الغرض گردش زمانہ کے سبھی نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے۔

زیر نظر کلام میں دعوت فکر Invitation to think بھی ہے اور احساس و شعور کی تجربہ گاہیں بھی پائی جاتی ہیں۔ شگفتہ غزل صاحبہ کی غزل میں ذہنی آسودگی اور قلبی تسکین کا تمام سامان کما حقہ موجود ہے۔ آواز کا زیر و بم اور لفظوں کا انتخاب پر کیف ہے دلکش کنایات نے کلام کو دو آتشہ کر دیا ہے آپ غزل کے فن اور مزاج کو خوب سمجھتی ہیں۔ اور الفاظ کے برتنے کا ہنر جانتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلام میں ایک طلسماتی اثر انگیزی Magical effect در آئی ہے جو قاری کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے اور اسے وقتی طور پر ہی سہی دنیا و مافیہا سے جدا کر دیتی ہیں آپ لفظی بازیگری اور محض لفاظی الجھاؤ میں نہ خود پڑتی ہیں اور نہ ہی قاری کو ان سنگلاخ گھاٹیوں سے گزارتی ہیں بلکہ اپنے نفیس اور لطیف خیالات وافکار اور برجستہ تراکیب سے لطف اندوز ہونے کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔ سادگی میں پرکاری پیدا کرنا معمولی بات نہیں جو کلام کی زینت ہے آپکے نزدیک جمال ایک قدر مطلق Absolute value ہے۔ آپ جمال کی مصوری اور فلسفہ جمال میں تفریق کو سمجھتی ہیں آپ تخیل پرست نہیں ہیں لیکن تخیل پسند ضرور ہیں اور اسے برائے زندگی ایک پیکر لطیف مانتی ہیں آپکی شاعری محض برائے شعر گفتن نہیں ہے بلکہ اس میں اصلاحی

زاویہ نظر اور تنقید کی رہداریاں بھی پائی جاتی ہیں۔زیر نظر کلام کی سادگی و پرکاری دامن دل کھینچتی ہے۔فسردگی سے دامن بچاتے ہوئے ندرت خیال اور اچھوتے مضامین نکالنا آپکا حصہ ہے۔

کلام کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ رکھا گیا ہے تاہم نئی آواز سے آواز بھی ملائی گئی ہے جسکی وجہ سے کلام دو آتشہ ہوکر ایک طرح کی آرٹ بن گیا ہے مصرعوں میں نئی آہٹ کی کروٹیں اور مستقبل شناسی کے علاوہ ارادے کی پختگی اور ولولہ بھی پایا جاتا ہے۔دوسری جانب شعور کی فراوانی بھی موجود ہے منجملہ غزلیات نیم کلاسیکل اسلوب میں رچی ہوئی ہیں جس میں اکثر جدت طرازی کی اوٹ سے عصری تقاضوں کو جدید زاویہ نظر سے بھی دکھایا گیا ہے مشمولات کتاب کا بیان اک الگ دفتر کا متقاضی ہے گویا غزلیات اک جہان نامشہود کی گہما گہمی ہے جسے ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا آپکے ذہن رسا پر جلوہ خالق کا فیضان نظر ایسا ہے کہ رشک آنے لگتا ہے گویا مکاں تا لامکاں بارش انوار کی لامحدود کرشمہ کاری ہے ایک طرح کی انوار کی بارش ہے ایک جانب حجاب اندر حجابات کا سلسلہ ہے دوسری جانب شان مستوری کی جولانیاں ہیں کہ پردہ محجوبیاں میں رہ کر شان وجلوہ مستوری کو دو چند کر رہی ہیں موجودات کا ہر ذرہ محو تماشا ہے ہر کان گوش بر آواز ہے۔

ہر نغمہ رہین آہنگ ہے منت پزیر ساز ہے شیرینیٔ کلام اور سطوت بیان ایسی پر تاثیر ہے کہ ایک مستی سی قاری و سامع کے اذیان عالیہ کو لے اڑتی ہے۔دل حیلہ جو بیان کی اس طلسم کاری اور جادوگری کا کشتہ ہے ندرت خیال اور خیال کی اپج نے حسنِ بیاں میں سرمستی پیدا کردی ہے یعنی گلزار ہست و بود میں روشنائی قلم نے ایسا فسون پھونکا ہے کہ کارخانہ ہستی بہار آشنا ہو گیا ہے۔محترمہ ڈاکٹر شگفتہ غزل کا غزلیہ کینوس لامحدود ہے۔اور اس کے رنگ دلکش،شوخ اور دیرپا ہیں۔رنگوں کا انتخاب اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا شاہکار نہ صرف پرکیف ہے بلکہ اپنی جاذب نظری میں بھی اپنی مثال آپ ہے جس میں کیفِ عرفان اور تلاطم ہستی کی شورش، تگا پوئے مدام اور خصوصاً ''قدیم رنگِ اظہار کیدفینوں کا سراغ بھی ملتا ہے آپکے اسلامی نظریات اور اسکے اظہار کے باب میں سوءادب کو خاطر نشان رکھا گیا ہے اس احتمال سے کہ کہیں نامہ اعمال سیاہ رنگ نہ ہو جائے۔آپکے مابعد الطبعی تصورات میں انہیں عقائد کا پرتو ملتا ہے جو اسلاف کا خاصا رہے ہیں زیادہ تر وہی نقطۂ نظر غالب ہے جو اردو ادب عالیہ میں رائج رہا ہے۔حسن کو اندازِ بیاں کا محتاج سمجھنا اور ساتھ ہی بیانِ حسن کو حسن کی تزئین بھی سمجھا گیا ہے۔جو غزلیات کا طرہ امتیاز ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اردو کلاسیکل شعری روایت تدبیر پر تقدیر کی برتری کی رہی ہے ہیئت اور موضوع کے اعتبار سے کلام دلکش ہے مجاز کی گرفت زیادہ حاوی ہے یعنی حقیقت کے باب میں مجاز کی جستجو اور مجاز سے حقیقت کا لامتناہی سلسلہ اردو غزل پہچان رہی ہے آپ نے غزل کو سماجی سیاسی اور معاشی مسائل سے دور رکھا ہے اور غزل کو غزلیہ افق سے مربوط کر دیا ہے۔آپ نے موضوعات کی رنگارنگی، اسلوب وتجربات کی ندرت اور نسائی جذبوں کو اپنے مخصوص لب و لہجے میں شاعرانہ پیکر عطا کر کے تانیثی شاعری میں ایک منفرد مرتبہ حاصل کیا ہے۔شگفتہ غزل زیرک اور بالغ النظر فنکارہ ہیں جنکی زندگی کے روز وشب ادبی تحریکوں کے گھمسان میں گزرے ہیں۔ادبی رویوں سے آپ بخوبی آگاہی رکھتی ہیں اظہار کے نئے گوشوں کی نقاب کشائی اور نئے موضوعات کی کھوج تہذیبی قدروں کی بازیابی، آپکا مطمح نظر ہے۔آپ نے پیکران ناز کے محل ووقوع اور انکے حدود اربعہ الغرض پیکران ناز کے سراپا میں قوس قزح کے رنگ بکھیرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور یہی آپکا شعری حسن ہے حسن نوازی میں اپنے ہم عصروں میں سے کسی کو اپنے سے یک گام بھی نہیں بڑھنے دیتے اپنی تخلیقی جہات کو بطریق احسن بروئے کار لاتے ہوئے دوشیزہ غزل کی ایسی مشاطگی کی ہے کہ اسکے اظہار کے لئے صد ہا دفاتر درکار ہیں۔آپکی تخلیقات کا سلسلہ وار مطالعہ اگر عمیق نظری سے کیا جائے تو ایک بات سامنے آتی ہے کہ آپ کے جذبے میں اعتدال، عصری مسائل سے آگہی۔

نیم کلاسیکل رچاؤ، حسن پروری، طرز فکر، صورت ہزار کی نغمگی، فکر و خیال کی وسعت، معنی آفرینی، الفاظ کی نشست و برخاست، شاعرانہ عکاسی، مستحکم لہجہ، صرف ونحو کا التزام، مضامین ژولیدگی عناصر سے پاک، اور فنی روایات کا احترام آپکی غزل کی امتیازی خصوصیات ہیں۔جو منجملہ تانیثی شاعری کا معتبر حوالہ ہیں۔جس پر آپ جتنا بھی فخر کریں کم ہوگا۔رب کائنات اس مجموعہ کی اشاعت مزید کامیابیوں کا پیش خیمہ بنادے آمین!

***

ہمارا بچپن...گردشِ ایام

عاصی صحرائی

اگر آپ نے...سائیکل کے فیل کتوں (گراری) پر پیشاب کر کے دوبارہ کارآمد بنایا ہوا ہے۔گولی والی بوتل پی ہوئی ہے،ریڑھی سے تازہ لچھے بنوا کر کھائے ہوئے ہیں،کپڑے کا بستہ استعمال کیا ہوا ہے،رات کے وقت کالا دھاگہ باندھ کر لوگوں کے گھروں کی کنڈیاں کھڑکائی ہوئی ہیں،بنٹے کھیلے ہوئے ہیں،سائیکل کے ٹائر کو چھڑی کے ساتھ گلیوں میں گھمایا ہوا ہے،شب برات پر مصالحہ لگی چچڑ سمینٹ والی دیوار سے رگڑی ہوئی ہے،دو روپے والا نیلا نوٹ استعمال کیا ہوا ہے،استاد سے مار کھائی ہوئی ہے،ریاضی کا مسئلہ اثباتی حل کیا ہوا ہے،عاد اعظم نکالے ہوئے ہیں،پٹھو گرم کھیلے ہوئے ہیں،سکول کی آدھی چھٹی کا لطف اُٹھایا ہوا ہے،تختی کو گاچی لگائی ہوئی ہے،گھر سے آٹا لے جا کر تنور سے روٹیاں لگوائی ہوئی ہیں،سکول کی دیوار پھلانگی ہوئی ہے،غلے میں پیسے جمع کئے ہوئے ہیں،سہ پہر چار بجے بولتے ہاتھ دیکھا ہوا ہے،پی ٹی وی پر کشتیاں دیکھی ہوئی ہیں،چھت پر چڑھ کر انٹینا ٹھیک کیا ہوا ہے،بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی دیکھا ہوا ہے،اپنے لینڈ لائن فون کو لکڑی کے باکس میں تالا لگا کر بند کیا ہوا ہے،میلے میں تین دن تک سائیکل چلتی دیکھی ہے،کتاب کے لئے ابا جی سے پیسے لیکر عمران سیریز خریدی ہوئی ہے،بارات میں پیسے لوٹے ہوئے ہوں،کسی دشمن کی دیوار پر کوئلے سے بھڑاس نکالی ہو،پانی کے ٹب میں موم بتی والی کشتی چلائی ہو،سرکاری ہسپتال سے اپنی ذاتی بوتل میں کھانسی والی دوائی بھروائی ہو،سردیوں میں رضائی میں گھس کر ڈراؤنے قصے سنے ہوں،سر کٹے انسان کی افواہیں سنی ہوں،کھڑکھڑاتے ریڈیو پر سیلاب کی تازہ صورتحال سنی ہو،رسی لپیٹ کر لاٹو چلایا ہو،سمیع اللہ کو ہاکی کے میدان میں قومی نشریاتی رابطے پر فتح سے ہمکنار ہوتے دیکھا ہو،گھر کی چھت پر مٹی کا لیپ کیا ہو،پینٹ پہن کر محلے والوں کی طنزیہ نظروں کا سامنا کیا ہو،گرمیوں میں چھت پر چھڑکاؤ کیا ہو،جون جولائی کی تپتی دوپہر میں گلی ڈنڈا کھیلا ہو،پھولوں کی کڑھائی والے تکیے پر سنہرے خواب دیکھے ہوں۔

گھر کے کسی کونے میں خوش آمدید لکھا ہے،ٹی وی پر غلاف چڑھایا ہے لالٹین میں مٹی کا تیل بھروایا ہے،ہاتھ والا نلکا چلا کر بالٹیاں بھری ہیں،ایک روپے میں کریم کی خالی شیشی ری فل کروائی ہے،یسو پنجو کھیلا ہے،لڈو کھیلتے ہوئے انتہائی خطرناک موقع پر تین دفعہ چھ آیا ہے،ڈھیلی تیلیوں والی ماچس استعمال کی ہے،تختی کے لیے بازار سے قلم خرید کر اسکی نوک بلیڈ سے کاٹ کر درمیاں میں ایک کٹ لگایا ہے،خوشخطی کے لیے مارکر کی نب کاٹی ہے،ہولڈر استعمال کیا ہے۔زیڈ اور جی کی نب خریدی ہے،فلاوری انگلش لکھی ہے،گھی کے خالی پیپے کو تار سے باندھ کر لوکل گیزر کا لطف لیا ہے،سر پر تیل کی تہہ اور سُرما لگا کر خوبصورت لگنے کی کوشش کی ہے،ون ٹین کیمرہ استعمال کیا ہے۔ٹچ بٹن والی شرٹ پہنی ہے۔اپنے گھر کی سفیدی کی ہے،آگ میں کاغذ جلائے ہیں،بالٹی میں آم ٹھنڈے کر کے کھائے ہیں۔رَف کاپی استعمال کی ہے،کھلی لائنوں والا دستہ خرید کر اس پر اخبار چڑھایا ہے،گندھے ہوئے آٹے کی چڑی بنائی ہے،الارم والی گھڑی کے خواب دیکھے ہیں،بلی مارکہ اگربتی خریدی ہے،مرونڈے کی لذت سے سرشار ہوئے ہیں،کلاس میں مرغا بنے ہیں۔ہمسائیوں کے گھر سے سالن مانگا ہے،مہمان کی آمد پر خوشیاں منائی ہیں۔سائیکل کی قینچی چلائی ہے،والد صاحب کی ٹانگیں دبائی ہیں،سردیوں میں ماں کے ہاتھ کا بنا سویٹر پہنا ہے،چھپ چھپ کر سگرٹوں کے سوٹے لگائے ہیں،امتحانوں کی راتوں میں ”گیس پیپرز“ کے حصول کے لئے دوستوں کے گھروں کے چکر کاٹے ہیں،قائداعظم کے چودہ نکات چھت پر ٹہل ٹہل کر یاد کیے ہیں۔

چلوسک ملوسک،عمرو عیار،چھن چھنگلو،کالا گلاب اور عنبر ناگ ماریا کی کہانیاں پڑھی ہیں،فرہاد علی تیمور سے متاثر ہو کر موم بتی کو گھور گھور کر ٹیلی پیتھی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے،کاغذ کے اوپر کیل اور لوہ چون رکھ کر نیچے مقناطیس گھمانے کا مزا لیا ہے۔محلے کے لڑکوں کے ساتھ مل کر پانچ وقت نماز کے منصوبے بنائے ہیں،صبح سویرے ڈول پکڑے گوالے سے دودھ لینے جاتے رہے ہیں،برفی کا سب سے بڑا ٹکڑا باوجود گھورتی نظروں کے اُٹھانے کی جسارت کی ہے،لاٹری میں کنگھی نکلی ہے،سردیوں کی تراویح میں پنکھے چلا کر مسجد سے فرار ہوئے ہیں،رات کو آسمان کے تارے گنے ہیں،سائیکل پر نئی گھنٹی لگوائی ہے۔زکام کی صورت میں آستینوں سے ناک پونچھی ہے۔ڈیموں (بھڑ) کو دھاگا باندھ کر اُڑایا ہوا ہے،شہد کی مکھیوں کے چھتے میں پتھر مارا ہوا ہے،مالٹے کے چھلکے دبا کر اس سے دوستوں کی آنکھوں پر حملہ کیا ہوا ہے،اور صبح سویرے گلی میں کسی کے درود شریف پڑھتے ہوئے گزرنے کی آواز سنی ہے اسکا ایک ہی مطلب ہے کہ اب آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔کیونکہ یہ ساری چیزیں اسوقت کی ہیں جب زندگیوں میں عجیب طرح کا سکوں ہوا کرتا تھا لوگ ہنسنے اور رونے کی لذت سے آشنا تھے لڑائی کبھی جنگ کا روپ نہیں دھارتی تھی۔رشتے اور تعلقات جھوٹی انا کے مقابل طاقتور تھے تب غریب کوئی بھی نہیں ہوتا تھا کیونکہ سب ہی غریب تھے۔مجھے فخر ہے کہ میرا تعلق اس دور سے ہے جب نہ کسی کے پاس موبائل تھا نہ کوئی اپنی لوکیشن شیئر کر سکتا تھا لیکن سب رابطے میں ہوتے تھے سب کو پتا ہوتا تھا کہ اس وقت کون کہاں ہے کیونکہ سب کا نیٹ ورک ایک ہوتا تھا۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

جو بھی پاکستان کو سنوارنے کی کوشش کرے گا۔اس کے لئے پاکستان کی سرزمین تنگ کردی جاتی ھے۔میرا نام عاشر عظیم ہے!میں کرسچن کمیونٹی کا ایک فرد تھا، میں نے PTV کے مشہور ڈرامہ سیریل ''دھواں'' میں اظہر کے نام سے مرکزی کردار ادا کیا! CSS کر کے کسٹمز میں افسر بنا، رشوت ستانی کا بازار گرم تھا،کسٹمز کے بڑوں کو مشورہ دیا کہ رشوت ختم کریں،چیئرمین نے مجھے نظام تیار کرنے کا حکم دیا، میں دن رات ایک کر کے ایسا نظام بنانے میں کامیاب ہوا جس سے رشوت کے راستے بند ہو سکتے تھے!محکمہ کے افسران میرے دشمن بن گئے،NAB کے ذریعے مجھے گرفتار کرلیا گیا۔

مجھ پر ناجائز کمائی کا الزام لگا اور حساب لیا جاتا رہا، پھر جیل سے رہا ہو گیا۔میں بضد تھا کہ اپنی بیگناہی ثابت کروں گا اور بحال ہو کر دم لوں گا، بااثر افسران کا خیال تھا کہ رہائی کے بعد میں بھی ملک سے بھاگ جاؤں گا جب ایسا نہ ہوا تو میرے اوپر غداری کے مقدمات اور دشمن ملک کی خفیہ ایجنسیوں سے رابطے کے الزامات لگا دیئے گئے اور پھر گرفتار کرلیا گیا،اس کیس میں سے بھی کچھ نہ نکلا اور میں رہا ہو گیا۔میں نے قرض لے کر ایک فلم ''مالک'' بنائی جس میں پاکستان کی اشرافیہ،بیوروکریسی،کرپٹ نظام کو للکارا،اس فلم کی نمائش نہ ھونے دی گئی اور میرا سرمایہ ڈوب گیا،آخر کار وہ دن بھی آ گیا جب میرے اوپر لگنے والے تمام الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے اور میں کئی برسوں بعد اپنے عہدے پر بحال ہوا۔میں خود کو بیگناہ ثابت کرنا چاہتا تھا اور کامیاب ہو گیا لیکن اس قوم کی مزید خدمت کی ہمت نہیں تھی، بحالی کے چار دن بعد اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا اور خاندان سمیت کینیڈا منتقل ہو گیا۔آج کل میں کینیڈا میں ٹرک چلا کر اپنی فیملی کی کفالت کرنے اور مالک فلم بنانے کے لیے لیا گیا قرض اتارنے میں مصروف ہوں۔لیکن پاکستان سے آج بھی اتنا ہی پیار کرتا ہوں۔اس طرح کے بہت لوگ ہیں لیکن مجبور ہیں۔

پارسا کتے

رجل خوشاب

مریض پر گزشتہ 20 منٹ سے جھکا ہوا ڈاکٹر سیدھا ہو کر مڑا چند ثانیے توقف کے بعد عاشق حسین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مغموم لہجے میں کہا: بزرگو! ہم نے اپنی سی پوری کوشش کی زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے کسی بھی وقت کوئی بھی معجزہ رُونما ہو سکتا ہے۔مگر مرض اتنا پرانا تھا اور سلوتریوں نے مرض کو اتنا بگاڑا تھا کہ مریض کے بچنے کی اب کوئی امید نہیں ہے۔بمشکل 13 گھنٹے جی سکے گا۔عاشق حسین نے نیلی آنکھوں سے جو بہ کثرت رونے سے لال ہوئی تھی ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

ڈاکٹر صاحب،کیا میرے جوان جہان بیٹے کے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔؟ ڈاکٹر نے تاسف کے ساتھ کہا: مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ شائد ہی ہم آپ کے بیٹے کو بچا سکیں۔اچھا ڈاکٹر صاحب پھر ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم گھر کی راہ لیں۔عاشق حسین نے ڈاکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ڈاکٹر اس تقاضے پر ششدر رہ گیا۔حیرت سے کہا:۔بزرگو! آپ کے بیٹے پر جانکنی طاری ہے۔وہ جان دینے کے کرب میں مبتلا ہے۔یہاں ہم اسے ایسی ادویات ڈرپ میں ڈال کر دے رہے ہیں کہ جس سے موت کا عمل کم تکلیف دہ ہوتا ہے۔درد کا احساس کم ہوتا ہے اور روح قدرے کم تکلیف سے نکل جاتی ہے اور آپ نیم مردہ بیٹے کو گھر لے جانے کی بات کر رہے ہیں عاشق حسین نے افسردگی کے ساتھ کہا: ڈاکٹر صاحب آپ موت کی تکلیف کی بات کر رہے ہیں لیکن آپ زندگی کے درد سے واقف نہیں ہیں۔کبھی تو غریب رہ کر زندہ رہنے کا تجربہ کر لیجئے۔کبھی تو غریب کی طرح مر کر دیکھ لیجئے۔آپ کو کیا معلوم غربت کی زندگی اور غربت کی موت کسی محشر سے کم نہیں ہوتی۔ہمیں ہسپتال سے جانے کی اجازت دیجئے۔سرکار پر مزید بوجھ نہیں ڈال سکتے۔ڈاکٹر نے غصہ ہو کر کہا: یہی تو تم لوگوں کی جاہلیت ہے۔پہلے جوان بیٹے کو خود ساختہ ڈاکٹرز،حکیموں اور پیروں فقیروں سے علاج کرواتے ہوئے موت کے منہ میں دھکیلا،ایک سادہ عام سی بیماری کو اتنا پیچیدہ کر دیا کہ بیچارہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔اب اسے چین سے مرنے بھی نہیں دے رہے ہیں۔کیا یہ آپ کا فرزند ہے یا دشمن۔؟ عاشق حسین نے پھوٹ

پھوٹ کر روتے ہوئے کہا: ڈاکٹر صاحب اگر یہ چین سے مر گیا تو دنیا والے مجھے چین سے جینے نہیں دیں گے۔ میرے بیٹے کی دردناک موت میں میری آبرومندانہ زندگی چھپی ہوئی ہے۔ ہمارے گاؤں تک بس کا کرایہ 120 روپے ہے اور ایمبولینس والے 6 ہزار مانگتے ہیں۔ بس والے میت کی ٹکٹ نہیں کاٹتے اور نہ ہی مردے کو سیٹ دیتے ہیں۔ البتہ رستے میں اگر سواری مر جائے تو لاش کو اتارنے کا نہیں کہتے۔ آپ نے 13 گھنٹے مزید زندہ رہنے کا کہا ہے اور یہ تجہیز و تکفین کے لیئے مناسب وقت ہے۔

ایمبولینس کا کرایہ آخری رسومات پر خرچ کرلوں گا اور بس میں انشاللہ اسے موت بھی جلد آ جائیگی۔ جانکنی کے عذاب کا دورانیہ بھی کم ہوجائے گا۔ ڈاکٹر یہ سب کچھ سن کر سن ہو گیا۔ بنا کچھ کہے چل پڑا۔ عاشق حسین بیٹے کو ٹکٹکی باندھے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں نے اس کا چہرہ ڈھانپ نہ لیا تھا، اتنے میں نرس نے آ کر عاشق حسین کو ڈسچارج سلپ تھماتے ہوئے کہا بابا جی آپ مریض کو لیکر جا سکتے ہیں۔ عاشق حسین بوجھل دل اور شکست خوردہ قدموں کے ساتھ گاؤں کی طرف چل پڑا۔ بس میں دوران سفر اب بھی وہ گاؤں سے کوسوں دور تھا وہ تجہیز و تکفین کے پورے انتظامات کو ذہن میں ترتیب دے چکا تھا۔ آج جمعہ مبارک کا دن تھا۔ صبح کے 10 بج رہے تھے۔ اسے امید تھی کہ گاؤں پہنچتے پہنچتے اس کے بیٹے نے جان دے چکی ہوگی۔ گاؤں والے انا ''فانا'' قبر کھود کر تیار کر لیں گے۔ کفن، عرق گلاب، سنجات کا صابن، مولوی صاحب کی جائے نماز اور دیگر تمام لوازمات گاؤں کے بازار میں سلام دکاندار'' کے پاس دستیاب ہوتے ہیں۔ اس نے انگلیوں پر موٹا موٹا حساب لگاتے ہوئے تخمینہ ساڑھے چار ہزار کا نکالا۔ اس کے علاوہ قل تک اور بعد میں بھی فاتحہ پڑھنے کے لیئے آنے والے مہمانوں اور دور پاس کے رشتہ داروں کے لیئے آٹے، دودھ، پتی، چائے اور گھی شکر کا خرچہ اس کے حساب سے کوئی ڈھائی ہزار بن رہا تھا اور تقریبا اتنی ہی رقم اس کے پاس بچی ہوئی تھی۔ جو اس نے بیٹے کے علاج معالجے کے لیئے گھر کا آخری اثاثہ بیل بیچتے ہوئے کھری کی تھی۔ انسانوں سے جانور اچھے ہوتے ہیں ضرورت کے وقت تو کام آ جاتے ہیں۔ اس نے لمبی سانس لیتے ہوئے سوچا۔ ورنہ انسان تو مشکل میں منہ موڑ لیتے ہیں اور خوامخواہ کے لیئے اشرف المخلوقات بنے پھرتے ہیں۔ ورنہ کہاں جانور اور کہاں انسان... جوں جوں گاؤں قریب آتا جا رہا تھا توں توں اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ اس نے جنازے کا وقت ظہر کی نماز ادا ہوتے ہی طے کیا تھا اور مغرب تک ساری رسومات ادا ہو چکی ہوں گی۔ مغرب پڑھنے کے بعد مسجد میں گاؤں والوں اور مہمانوں کو جو کھانا اس نے دینا تھا اس کا انتظام اس سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ کسی سے ادھار لینا تو ناک کٹنے والی بات تھی۔ چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ شرم کی بات تھی۔ زندگی بھر گاؤں والے طعنہ دیتے کہ بیٹے کو ادھارے کا کفن پہنایا تھا۔ مسکینوں کی طرح زمین میں گاڑا تھا۔ بغیر رسومات ادا کئے جانے کے دفنانا تھوڑا ہوتا ہے۔ گاڑنا ہی تو ہوتا ہے۔ اس نے شکر ادا کیا کہ اس نے مردہ بیٹے کو گاؤں لانے کی بجائے جاں بلب بیٹے کو لانے کا فیصلہ کیا۔ ورنہ گاؤں میں شلوار بھی اُترتی اور بیٹے کی بخشش بھی نہ ہوتی۔ گلا بو کمہار کے ساتھ یہی تو ہوا تھا۔ بیوی کی موت پر جنازے کے بعد نہ مولویوں میں سخاوت بانٹ سکا، نہ ہی امام مسجد کو جائے نماز خرید کر دے سکا اور نہ ہی تدفین کے بعد لوگوں کو کھانا کھلا سکا۔ مولوی صاحب تو صاف بات کرنے کے عادی تھے۔ انہوں نے تو برملا کہا تھا کہ گلا بو کمہار کی بیوی کی بخشش نہیں ہوگی اور اگر پھر بھی کوئی نیکی کام آ گئی اور بخشش ہو بھی گئی تو عذاب قبر تو تا قیامت پکا ہے۔ بے چارہ گلا بو کمہار! بیوی بھی جہنمی اور وہ بھی۔ آج تک کسی سے آنکھ ملانے کا قابل نہیں ہے۔ عاشق حسین کو جھرجھری سی آ گئی اور ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو داد دی کہ بیٹے کو جانکنی کی حالت میں ہسپتال سے نکالا، ورنہ اگر یہی پیسے ایمبولینس پر خرچ ہوتے تو اس کا انجام بھی گلا بو کمہار جیسا ہوتا اور بیٹا بھی عذاب قبر سہتا۔ اچانک عاشق حسین کو زبردست جھٹکا لگا۔ ڈرائیور نے اتنے زور سے بریک دبائی تھی کہ سڑک پر ٹائروں کے نشانات پڑ گئے تھے اور پہیوں کے گھسنے کی کریہہ آواز بھی دور تک سنائی دی گئی تھی۔ مگر ڈرائیور پھر بھی ان تین کتوں کو نہیں بچا سکا تھا جو جفتی کتیا کا تعاقب کرتے ہوئے کتیا سمیت چلتی بس کی زد میں آ گئے تھے۔ جنس کی شدت ہمیشہ حواس چھینتی ہے۔ محبت اور عقل اسی لئے تو ایک دوسرے کی ضد ہے آگ اور پانی ہے، چوہے بلی کا کھیل ہے۔ محبت میں جنسی نا آسودگی پاگل پن طاری کرتی ہے۔ دیوانہ بناتی ہے۔ محبت میں خود سپردگی تتلیوں کی گود میں سونا ہے۔ رنگ و نور میں نہانا ہے۔ محبتوں میں جسمانی ملاپ بارش کی معصوم ادا ہے۔ کلی کا چٹکنا ہے۔ بن جسمانی لمس کے محبت ذہنی مرض ہے۔ آسیب ہے۔ بریک لگنے کی

شدت سے سواریاں ایک دوسرے پر لڑھک گئی تھیں۔بس میں یک دم سے افراتفری مچ گئی۔سواریوں کے شوروغوغا نے آسمان سر پر اُٹھا دیا۔تین کتے، ایک کتیا اور عاشق حسین کا بیٹا؛ایک ساتھ مر گئے۔ادھر تین کتے اور ایک کتیا بس کے نیچے آ کر کوچ کر گئے اور ادھر عاشق حسین کے بیٹے کی رُوح اوپر پرواز کر گئی۔عاشق حسین نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے رب کا شکریہ بھی ادا کر دیا کہ تین کتوں اور ایک کتیا کے ساتھ ساتھ اس کے بیٹے کی جان بھی نکال دی۔اس نے دل ہی دل میں عزرائیل کو بھی بڑی داد دی،کس چابکدستی سے لوگوں کی مشکلات آسان کر دیتا ہے۔اگر عزرائیل نہ ہوتا تو خدا جانے لوگ کیسے جیتے۔بیٹے اور کتوں کے مرنے کا وقت اور مقام جیسے اس کے ذہن میں نقش ہو کر رہ گیا کنڈیکٹر نے جلدی جلدی مرے ہوئے کتوں کو ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے سڑک کے کنارے ڈال دیا اور بس روانہ ہوئی۔تقریباً 5 منٹ بعد بس عاشق حسین کے گاؤں کے سٹاپ پر رُکی۔سٹاپ کے قریبی گھر سے چارپائی منگوا کر عاشق حسین نے گاؤں والوں کی مدد سے بیٹے کی لاش چارپائی پر رکھی اور گھر کی راہ لی بس اس گاؤں کے واحد سواریوں کو اُتارنے کے بعد دھواں اُگلتے ہوئے اور غوں غوں کی آوازیں نکالتے اگلی منزل کی طرف رینگنے لگی تھی۔عاشق حسین نے گاؤں والوں اور رشتہ داروں کے حوالے تجہیز و تکفین کے انتظام کرتے ہوئے چھوٹے بھائی کو ساری نقد رقم بھی ہاتھ میں تھما دی۔خواتین کے بین اور گاؤں والوں کی با آواز بلند انتظامات بارے باتوں کے دوران عاشق حسین ایک بڑی بوری میں ایک عدد کلہاڑی، تیز دار والی چھری اور کام والے میلے اور بوسیدہ کپڑے رکھ کر خاموشی کے ساتھ نکل گیا۔تھوڑی دیر بعد وہ جائے حادثہ پر موجود تھا۔سڑک پر ویرانی چھائی ہوئی تھی وہ جلدی جلدی چاروں مرے ہوئے کتوں کو ٹانگوں سے کھینچتے ہوئے سڑک کنارے گنے کے کھیتوں میں اندر تک لے گیا۔بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس نے چاروں کتوں کو کاٹ کر بوری میں ڈالا اور کپڑوں کے اوپر پہنے ہوئے میلے اور خون آلود ملبوس کو اتار کر ماچس کی تیلی سلگا دی۔گھر داخل ہو کر اس نے بڑی بیٹی کو گوشت حوالے کر کے میت کا کھانا تیار کرنے کے بارے میں اچھی طرح سمجھایا اور باہر نکل کر فاتحہ کے لیے آنے والوں میں گھل مل گیا۔تدفین بھی شان سے ہوئی۔چار پیٹی صابن بانٹا گیا اور آئے ہوئے تمام مولویوں میں جائے نماز، سفید ٹوپیاں اور تسبیح بھی تقسیم کی گئیں۔مغرب کے بعد سارے گاؤں کو مسجد ہی میں چھوٹا گوشت کھلایا گیا۔گرم گرم تندوری روٹیوں کے ساتھ سب نے پیٹ بھر کر کھایا خوب واہ واہ ہوئی۔سب نے لذت کی تعریف کی۔

عاشق حسین مطمئن تھا کہ انشاللہ میت کا ایسا کھانا گاؤں میں کسی کے باپ نے بھی اب تک نہیں دیا ہوگا اور نہ ہی آئندہ سو سالوں میں کھلا سکے گا۔عاشق حسین نے ایک بھرا ہوا خوانچہ مولوی صاحب کے گھر بھی بھجوایا خوب دعائیں ہوئیں اور مرحوم کو شہید کا درجہ بھی عطا ہوا۔اگلی صبح فجر پڑھ کر بھری مسجد میں مولوی صاحب نے عاشق حسین کو مخاطب کیا بھائی عاشق حسین رات کو تو بڑی عجیب بات ہوئی میں نے اور ملانی جی نے اکھٹے ایک ہی خواب دیکھا کہ تیرا برخوردار جنت کی باغوں میں چہل قدمی کر رہا ہے۔خوش و خرم ہے۔میں نے تو بس صرف یہی دیکھا۔مگر ملانی جی کہہ رہی تھی کہ اسے شہید نے کہا کہ ابا کی حویلی بھی وہ جنت میں دیکھ چکا ہے جس کی سفید موتیوں کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔تمام جماعت عش عش کر اُٹھی۔عاشق حسین زیر لب مسکرایا اسے پہلی مرتبہ نجس کتے کی پارسائی کے زور کا علم ہوا تھا۔واقعی جنت کا ہر راستہ پیٹ سے گزرتا ہے اور جہنم بھوک کی پیداوار ہے۔عاشق حسین نے دل ہی دل میں ان چاروں کتوں کا شکریہ ادا کیا کہ نجس ہونے کے باوجود اس کی انا اور دین کو قائم رکھا۔اس کے بیٹے اور اسے جنت تک لے جانے کا سبب بنے پہلی مرتبہ اس کے دل سے کتوں کے لیے دعا نکلی اگر ان کتوں نے آج اس کی پردہ پوشی نہ کی ہوتی تو انسان تو اسے برہنہ کر چکے ہوتے۔

ڈنڈا علاج ہے گدھوں کا

ایک گاؤں میں مولوی صاحب رہتے تھے۔مولوی صاحب کا کوئی دوسرا ذریعہ آمدن نہ تھا گاؤں میں رہتے ہو گزارہ بہت مشکل تھا۔اسی گاؤں میں کوئی نیک دل جاگیردار بھی رہتا تھا تو اس نے زمین کا ایک ٹکڑا مولوی صاحب کو ہدیہ کیا کہ ویسے بھی سارا دن آپ فارغ ہوتی ہیں تو کھیتی باڑی کریں تاکہ گزارہ اچھا ہو۔مولوی صاحب نے گندم کاشت کر لی اور جب فصل ہری بھری ہو گئی تو بڑی خوشی ہوتی تھی دیکھ کر اسلئے دن کا اکثر وقت وہ کھیت میں ہی بیٹھے رہتے اور فصل دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔لیکن اچانک ایک ناگہانی مصیبت نے ان کو آ گھیرا.....گاؤں کے ایک آوارہ گدھے نے کھیت کی راہ

دیکھ لی...دھا روزانہ کھیت میں چرنے لگا۔مولوی صاحب نے پہلے تو چھوٹے موٹے صدقے دیئے لیکن گدھا منع نہیں ہوا۔پھر اس نے مختلف سورتیں پڑھ پڑھ کر پھونکنا شروع کر دیا لیکن گدھا پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ایک دن پریشان حال بیٹھے گدھے کو فصل اُجاڑتے دیکھ رہے تھے کہ ادھر سے ایک کسان کا گزر ہوا۔گدھے کو چرتا دیکھ کر کسان نے پوچھا۔مولوی صاحب...آپ عجیب آدمی ہیں گدھا فصل تباہ کر رہا ہے اور آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جناب ہاتھ پر ہاتھ دھرے کہاں بیٹھا ہوں؟ ابھی تک ایک مرغی اور بکری کے بچے کا صدقہ دے چکا ہوں اور کل سے آدھا قرآن شریف بھی پڑھ کر پھونک چکا ہوں لیکن گدھا ہٹتا نہیں ہے مجھے تو یہ بھی گدھا کافر لگتا ہے،جس پر کوئی شے اثر نہیں کرتی۔.....کسان کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا وہ سیدھا گدھے کے پاس گیا اور گدھے کو دو چار ڈنڈے کس کر مارے تو گدھا کسی ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔.....کسان نے کھیت سے باہر آ کر ڈنڈا مولوی صاحب کے حوالے کرتے ہوئے کہا.....قبلہ مولوی صاحب قرآن گدھوں کو بھگانے کیلئے نازل نہیں کیا گیا۔گدھوں کو بھگانے کیلئے اللہ تعالی نے یہ ڈنڈا بھیجا ہے۔ہم پاکستانی بھی عجیب ہجوم ہیں۔ہمارے گدھے حکمران کروڑوں نہیں بلکہ اربوں لوٹے چلے جاتے ہیں اور ہم صرف دعاؤں اور صدقات وخیرات کے بل بوتے پہ ان گدھوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔جب تک یہ ہجوم،ایک قوم بن کر ان لٹیروں سے نجات کیلئے ڈنڈا استعمال نہیں کرے گی یہ گدھے ملک وقوم کے تمام وسائل یونہی لوٹتے رہیں گے۔

صرف ٹیکنالوجی زندگی نہیں

آج میں نے اپنے والد کے ساتھ بینک میں ایک گھنٹہ گزارا تھا،کیونکہ انہیں کچھ رقم منتقل کرنی تھی۔میں اپنے آپ کو روک نہیں سکا اور پوچھا...بابا ہم آپ کی انٹرنیٹ بینکنگ کو فعال کیوں نہیں کر دیتے؟''میں ایسا کیوں کروں گا؟''انہوں نے پوچھا۔

ٹھیک ہے،پھر آپ کو منتقلی جیسی چیزوں کے لیے یہاں ایک گھنٹہ بھی نہیں گزارنا پڑے گا۔آپ اپنی خریداری آن لائن بھی کر سکتے ہیں۔سب کچھ اتنا آسان ہو جائے گا!میں انھیں نیٹ بینکنگ کی دنیا میں شروعات کے بارے میں بتاتے ہو پر جوش تھا بابا نے پوچھا،اگر میں ایسا کروں تو مجھے گھر سے باہر نہیں نکلنا پڑے گا؟ہاں ہاں! میں نے کہا میں نے انھیں بتایا کہ سودا سلف بھی اب دروازے پر کیسے ڈیلیور کیا جا سکتا ہے!لیکن ان کے جواب نے میری زبان بند کر دی۔انہوں نے کہا جب سے میں آج اس بینک میں داخل ہوا ہوں،میں اپنے چار دوستوں سے ملا ہوں،میں نے کچھ دیر عملے سے بات چیت کی ہے جو اب تک مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔تم جانتے ہو کہ میں اکیلا ہوں...یہ وہ رفاقت ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔میں تیار ہو کر بینک آنا پسند کرتا ہوں۔میرے پاس کافی وقت ہے۔انہوں نے کہا...دو سال پہلے میں بیمار ہوا،دکان کا مالک جس سے میں پھل خریدتا ہوں،مجھے ملنے آیا اور میرے پلنگ کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔جب تمہاری ماں کچھ دن پہلے صبح کی سیر کے دوران گر گئی تھی۔ہمارے مقامی گروسر نے اسے دیکھا اور فوری طور پر گھر رابطہ کیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں کہاں رہتا ہوں۔اگر سب کچھ آن لائن ہو جائے تو کیا مجھے وہ انسانی ٹچ ملے گا؟ مجھے صرف اپنے فون کے ساتھ بات چیت کرنے پر مجبور کیوں کیا جائے؟ یہ رشتوں کے بندھن بناتا ہے۔کیا آن لائن ایپس بھی یہ سب فراہم کرتی ہیں؟''ٹیکنالوجی زندگی نہیں ہے۔لوگوں کے ساتھ وقت گزاری۔

ساحلِ سمندر پر

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

اے سمندر کی لہرو ہمیں تم کہو
درد گہرائیوں کے بھی ہنس کر سہو
سر پٹک کر یوں ساحل پہ دم توڑ دو
راز جیسے سمندر کے سب کھول دو
شور کرتے ہوئے جب بھی آتی ہو تم
واپسی پر تو چپکے سے آہیں بھرو
یوں سمندر کے رازوں کی ہو تم امیں
پھر خیانت نہ ایسے کیا تم کرو
جو سواری کریں تم پہ خوش تم سے ہیں
جھاگ غصّے میں منہ پر نہ لایا کرو
دو گھڑی دیکھ کر تم کو خوش ہوتے ہیں
لے کے خطرہ،غضب میں نہ آیا کرو
دفن کتنے سمندر کے سینے میں ہیں
راز کس نے کہا تم سے،سب سے کہو
تم سے ہم کو بھی ہے مشترک ایک غم
قید ہوں کب سے کہتی ہو اب چھوڑ دو
دردِ دل باہمی ایک ہی جب ہوا
اے سمندر کی لہرو، نہ شکوہ کرو
ہم بھی سینے میں رکھے ہوئے راز ہیں
ہم سمجھتے ہیں بہتر یہی چپ رہو
راز سینے کے سینے میں ہی دفن ہیں
ہم اگر چپ رہیں،مت ہمیں دوش دو
صبر کو ہاتھ سے تم بھی جانے نہ دو
جو بھی کہنا ہو سجدے میں گر کر کہو
میرے سینے میں بھی ہے اک سمندر نہاں
مجھ کو دیکھا کبھی شور کرتے ہوئے!
ہاں مری سجدہ گاہوں نے دیکھے ہیں بس
میری آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہوئے

دوستی کا معیار

مبشر شہزاد گلاسگو سکاٹ لینڈ

بزرگ سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص سے بہت سارے لوگ دوستی کا دم بھرنے لگے تو اس کے والد نے کہا... بیٹا! ہر دوست کہلانے والا شخص، دوست نہیں ہوا کرتا۔ بڑی جانچ پڑتال کے بعد کسی کو دوست سمجھنا چاہیئے۔ پھر باپ نے ایک دُنبہ ذبح کر کے بوری میں بند کیا جس سے خون ٹپک رہا تھا، اور بیٹے سے کہا... یہ اپنے دوستوں کے پاس لے جاؤ، اور اُنہیں کہو۔ ''مجھ سے قتل ہو گیا ہے، میری مدد کرو'' پھر دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ بیٹے نے بوری اُٹھائی اور رات کو ایک دوست کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ دوست نے پوچھا خیریت ہے؟ کہنے لگا۔ یار مجھ سے قتل ہو گیا ہے، نہ لاش ٹھکانے لگانے کی جگہ مل رہی ہے، نہ سر چھپانے کی میری کچھ مدد کرو! دوست نے مدد کے بجائے ٹال دیا، کہ تُو جانے اور تیرا کام جانے، میں تیرے ساتھ کیوں پھنسوں۔ وہ دوسرے، تیسرے، چوتھے، الغرض سب دوستوں کے پاس گیا لیکن کسی نے بھی اُسے اپنے گھر میں پناہ نہ دی۔ وہ مایوس ہو کر والد کے پاس آیا اور کہا۔ ابا حضور! آپ درست فرماتے تھے، واقعی وہ میرے دوست نہیں تھے، جو مصیبت کا سن کر ہی بھاگ گئے۔ والد نے کہا: بیٹے میرا ایک دوست ہے اور زندگی میں مَیں نے اس ایک کو ہی دوست بنایا ہے اب تُو یہ بوری لے کر اس کے گھر جا اور دیکھ وہ کیا کہتا ہے؟ بیٹا اس کے گھر پہنچا اور اسے وہی کہانی سنائی، جو اپنے دوستوں کو سنائی تھی۔ اس نے بوری لے کر مکان کے پچھواڑے میں گڑھا کھود کر دبا دی، اور اوپر پھول لگا دیئے تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ بیٹے نے باپ سے آ کر سب کچھ بیان کیا اور کہا: ابا جی آپ کا دوست تو واقعی سچا دوست ہے۔ باپ نے کہا: بیٹا! ابھی ٹھہر جاؤ، اتنی جلدی فیصلہ نہ کرو۔ کل اُس کے پاس دوبارہ جانا اور اس سے بدتمیزی کرنا، پھر جو ردِعمل ہو وہ آ کر مجھے بتانا۔ بیٹے نے ایسے ہی کیا... گیا، اور اس سے بدتمیزی اور لڑائی کی۔ اس نے جواب میں کہا: اپنے والد سے کہنا فکر نہ کرے، تمھارا دوست ''چمن'' کبھی نہیں اُجاڑے گا۔ (مطلب جو پودے لاش کے اوپر لگائے ہیں وہ سدا لگے رہیں گے، انھیں کبھی نہیں اُکھاڑوں گا۔ یعنی تیرے بیٹے کی بدتمیزی کو دیکھ کر اس کا راز کبھی فاش نہیں کروں گا۔ کیوں کہ میں تیرا دوست ہوں) دوست مشکل وقت میں کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ موبائل فون اور خصوصاً فیس بک کی بدولت آج سب کے پاس ہزاروں دوست ہیں۔ ان ہزاروں میں سے کتنے ہیں جو واقعی ہمارے ''دوست'' ہیں؟ اور کیا ہم خود بھی...؟؟؟

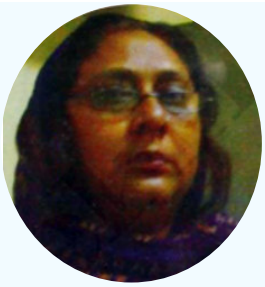

جبیں نازاں

بارہ قباؤں کی سہیلی

عذرا پروین

عذرا پروین نے 6 جنوری 1961ء کی یخ بستہ رات کپکپاتے لمحات 30:4 منٹ اپنے نانیہال اناؤ (یوپی) میں آنکھیں کھولیں۔ مانو آسماں سے جل پری اتری ہو، نرم و ملائم گورے پاؤں کو جب دایا نے سہلایا۔ نین کٹورے چھلک پڑے۔ جب ماں نے دیکھا دیکھتی رہ گئیں، گھنگھریلے سنہرے گھنے بال، کشادہ پیشانی، چہرہ چاند سا روشن، یاقوتی ہونٹ، رخسار جیسے کشمیری سیب۔

میرا قیاس کہ انہیں دیکھ کر ہی مشہور زمانہ حسن و جمال میں یکتا عذرا (وامق) نام ذہن میں ابھرا ہوگا اور ان کا نام عذرا پروین رکھا گیا ہوگا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ جو خوبصورت ہوتا ہے۔ اس کی ہر شئے خوبصورت ہوتی ہے۔ عادات و اخلاق گفتار و کلام۔ خوش قسمتی سے گر وہ فنکار ہو جائے تو پھر اس کا فن بھی لاجواب ہوتا ہے۔

عذرا پروین صاحبہ اکتسابی شاعرہ نہیں بلکہ میں پیدائشی شاعرہ کہوں تو اسے مبالغہ آمیزی نہ سمجھا جائے۔ عذرا پروین نے کم عمری سے لکھنا شروع کیا پہلا افسانہ 'سن تپلی' کے عنوان سے لکھا اور اس وقت کے معیاری رسالہ روبی کے کہانی نمبر میں شائع ہوا، اور اول انعام کا مستحق قرار پایا۔ سردست یہاں بتاتی چلوں کہ عذرا پروین چار بھائی بہنوں میں سب سے بڑی ہیں، چھوٹی بہن رعنا پروین کے اشتراک سے ایک ناول بھی تحریر کیا۔ لیکن عذرا کی لاپروائی کے سبب ردی کے ساتھ فروخت ہو گیا۔۔

پھر عذرا شاعری کی طرف متوجہ ہوئیں غزلیں کہتی رہیں، اور نظمیں لکھتی رہیں۔ لیکن قارئین نے ان کی غزلوں پر نظموں کو فوقیت دی۔ پھر عذرا نظموں کے تئیں سنجیدہ ہو گئیں اور شعوری طور پر نظموں کی طرف متوجہ ہوئیں، قارئین افسانہ نگار عذرا کو بھول بیٹھے۔ افسانینویس عذرا سے نظموں کی شاعرہ عذرا آگے نکل گئیں۔

ان کی نظمیں کہاں ہو شیام اور 'تم' کافی پسند کی گئی۔ عذرا محبت سے لبریز معصوم میرا کی طرح بن بن اپنے شیام کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی

ہے۔شاید شیام مدھوبن میں گوپیوں کے جھنڈ میں گھرا بیٹھا ہے۔

تم کہاں ہو شیام

آخر کتنا رقص کروں میں۔۔اوراب کتنا روپ بھروں
کتنا چاند کی چاندنی پی لوں۔۔کتنا پتوں پھولوں کے رس سے
کتنا موسم کی نس نس سے۔۔۔۔رنگ پیا،شرنگار جیا ہے
پھر بھی چھپا۔۔مرا شیام پیا ہے۔۔میں وہ ابھاگی،وہ میرا ہوں
جس سے اس کا شیام کھو گیا ہے۔۔۔اب تو پھر آ ؤ!
اپنی کانتی سے اپنی جیوت سے۔۔اپنی روح سے میری مان بڑھا دو
مجھ میں اتنا رقص کرو کہ۔۔۔وجد کے سارے رنگ جگا دو
دیئے کی لو تم نے اتنی بڑھا دی۔۔۔دیئے سبھی سورج بن جائیں منظر اچرج بن جائیں۔

شیام پیا،میر یشیام پیا نظموں کی محبت سے لبریز عذرا پھول،شبنم ستارہ ہے تو غزل کی عذرا بپھری ہوئی لہر لہر آگ،اورانگارہ ہے۔پھول شبنم اور ستارہ سے آگ اور انگارہ بننے کا سفر اپنے آپ میں انتہائی خوفناک ہے۔کم عمری کے خواب جب تعبیر کی شکل میں زندگی کی حقیقتوں سے متصادم ہوتے ہیں۔

تب ردعمل کے طور پہ بغاوت کا جذبہ ابھرتا ہے،اور بحیثیت انسان اگر عملی طور پہ گھر،معاشرے،کی جانب سے طے کردہ اصول واقدار سے انحراف کرنے میں ناکام ہوتا ہے،تب اس شخص کے فکروخیال میں حددرجہ بغاوت،اور انحرافی کیفیت پائی جاتی ہے،حتیٰ کہ مثبت باتیں،درست اقدام کو بھی اپنے تئیں منفی نظر اور سازشی حربہ تصور کرنے لگتا ہے،اور یہ مقام ماہرنفسیات کی زباں میں ''ذہنی پیچیدگیاں'' کی ابتدا کہلاتی ہے۔

بہرحال!بغاوت اورانحرافی فکروخیال کی انتہا ملاحظہ فرمائیں!

میں بدگمانی ہوا سے خلق کردہ ہو
میرے خمیر میں شک آگہی کی ابجد ہے
ڈوب جاؤں تو ڈوبتا نہیں پورا پورا
مجھ سے کرتا نہیں سودا کوئی پورا پورا
عجب ہوں تم میں لگا کر خود اپنے قد کا جوڑ
تلاش کرتی ہوں یہ تم ہو یا مرا قد ہے
تو میرے چین کی جا بھی چھپا گیا کس میں
ہوا میں ڈھونڈوں اسے میں فلک میں بادل میں
میں گھٹن بھرا پنجرہ ہوں گو محبت ہوں
یگوں سے میں نے خود اپنا جہاں نہیں دیکھا

کہتے ہیں ادب اپنے سماج کا آئینہ ہوتا ہے۔عذرا کی شاعری بھی اس آئینے میں معاشرے کا عکس اتار کر زمانے کو دکھارہی ہیں۔لو دیکھو!یہ ترقی یافتہ دنیا ترقی پذیر ملک کے روشن خیال معاشرے کے ایک مہذب اور دینی گھرانے کی تصویر ہے یہ۔۔

ایک خاتون جس کے شعری سرمائے کو نسائی خانے میں ڈالنے کی دانستہ اور سوچی سمجھی 'شرارت' سے تعبیر کرتی ہوں میں۔یہ نسائی لب ولہجہ نہیں بلکہ مرد اساس معاشرے کے ظلم وستم کا اظہار و بیان ہے۔یہ طویل سلسلہ ہے،مجھے حیرت ہوتی ہے جب منٹو'' ٹھنڈا گوشت''اور'' لائسینس'' تک،لکھتا ہے،تو معاشرے کا 'ناسور' کہا جاتا ہے اور اس کہانی کار کو مریض معاشرے کا معالج' قرار دیا جاتا ہے۔اور جب عصمت چغتائی 'لحاف' ننھی کی نانی،واجدہ تبسم نتھ اترن،نتھ کا بوجھ،لکھ رہی ہوتی ہے۔ادب دنیا باغی ادیبہ قرار دیتا ہے۔ادب کو صنفی خانوں میں تقسیم کرنے کی روش نے ادیبہ اور شاعرات کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔اس گلوبل عہد میں تو بالکل نہیں کیا۔

عذرا پروین فطرت مناظر کی شیدائی ہیں۔وہ بادل،پھول،تتلی،سمندر، پہاڑ،جھرنوں سے مکالمہ کرتی ہیں اور یہ مناظر بھی ان سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ یہ گفتگو "خاموشیوں کی صدا" کہلاتی ہے۔ایک مقام پہ یہ صدا" تنہائی کا شور" بن جاتی ہے۔اسے سننے کی تاب ہر انسان گوارا نہیں کرتا۔۔اور جو گوارا کرتا ہے وہ اسے کبھی شاعری میں،کبھی تصاویر،کبھی موسیقی میں جذب کر لیتا ہے۔اور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔عذرا ان میں سے ہی ایک فنکار ہیں۔ہمارے سامنے ان کی یہ نیاز مندی کاغذ پہ لفظوں کے جال بننے لگتی ہیں۔یہ قصہ ان کی دو بہترین دوست بیٹیاں سناتی ہیں۔جدھر ہاتھ ڈالئے کاغذ کے پرزے مل جائیں گے۔کسی ٹکڑے پہ ایک آدھ مصرع کسی میں صرف ایک دو الفاظ،کسی میں آدھ کسی میں ایک شعر،کسی میں فقط چند حروف کبھی یہ آپ کو شکر کے ڈبے میں تو کبھی گیس چولھے کے نیچے مڑا تڑا سا ملے گا۔عذرا کو خود سے شکایت ہے،وہ دنیا بیزار نظر آتی ہیں۔باوجود اس کے عشق کے رنگ میں پور پور ڈوبی نظر آتی ہیں۔ وہ عشق کا ایسا الاؤ ہیں جس میں خود بھسم نہیں ہوتیں۔بلکہ اپنے ساتھ قاری کو بھسم کر ڈالتی ہیں۔وہ کسی سے کوئی سمجھوتا کرنا نہیں چاہتیں،خود سے بھی نہیں،تصوف پسند عذرا ہمہ تن مراقب ہوکر اپنے عملی تجربے کو فنی شعور عطا کرتی ہیں۔اپنے عشق

میں سچی عذرا محبوب سے یوں یمکلام ہوتی ہیں۔

سنہ تیرا عشق قائم سنہ میرا حسن قائم
تیری نگاہ مٹی، میرا تیاگ مٹی
میں زندگی تھی مجھے بھی شہید رہنے دیا
وحید تم تھے کیوں مجھے وحید رہنے دیا
تو بھی شاید مجھ جیسا ہے
میرے سچ دب گئے اسی قیاس تلے
اب اتنا مجھے تکا تکا کون چنے
میں آندھی کے بعد کا منظر ہوں
تم رنگوں کی بھوک سے مرنے والے ہو
میں رنگوں کے بوجھ سے مرتا منظر ہوں
غلط ہے میں نے گزارے کسی حضور میں دن
بتائے ہیں میں نے سورہ کہف میں دن
میں پھر تمھارے قدموں سے چل پڑی ہوں شاید
تم جاگتے ہو مجھ میں، میں سو پڑی ہوں شاید
فنا ہیں آنکھیں یہ رخسار و حسن و لب دھوکا
لکھو گمان کے کھاتے میں سب کا سب دھوکا

عورت و مرد کے مابین صدہا سال کی نابرابری کی روایت کا اظہار شعوری کوشش نہیں، بلکہ فطری جذبہ ہے۔جس طرح پھول کے کھلتے ہی خوشبو کا بکھرنا طے ہے۔ویسے ہی دھوپ کی تمازت میں پھولوں کا مرجھانا بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے۔اس حقیقت سے سرمو انحراف کذب بیانی کے سوا کچھ نہیں۔ہر ظلم و ستم سہہ کر محبوب کی آزمائش پہ کھرا اترنے کیلیے کبھی سیتا بن کر "اگنی پریکھشا سے گزرنا ہوتا ہے، کبھی میرا بن کر ''وش'' پینا پڑتا ہے، کبھی ایک ہزار رات تک کہانی سنانا پڑتی ہے۔کبھی کچا گھڑا لے کر چناب میں کودنا ہوتا ہے۔کبھی ''امرپالی'' کی طرح آگ کے گھنگھرو پہن کر ساری رات سوئی کی نوک پہ رقص کرنا پڑتا ہے پھر بھی عورت بے اعتبار اور کمزور ترین مخلوق تصور کی جاتی ہے۔

وہ میری راہوں میں آگ رکھ کر مجھے سفر سے ڈرا رہا ہے
اب آگ پہ ننگے پاؤں چل کر میں اس کو ڈرا رہی ہوں
جنگل تمھارا ٹھیک ہے بارش تمھاری
مجھ کو بھی اک شجر پہ سفارش تمھاری
تم نے چھینے تھے پھول بھی میرے
آگ کا رقص بھی تمہی دیکھو
سمٹ گئی تو شبنم پھول ستارہ تھی
بپھری تو لہر لہر انگارہ تھی
جب آگہی کا مرا سلسلہ بھٹکتا ہے
مرا بھی ہاتھ مرا دل بہت جھٹکتا ہے

جسے نسائی جذبات و احساسات کی شاعری کہا جاتا رہا ہے، ان جذبات و احساسات سے مرد شعرا مبرا رہے ہیں؟ محبت، جہاں شبنم پھول ستارہ بنا ڈالتی ہے، وہیں بے اعتنائی بے توجہی شعلہ، پتھر، خار، انگارہ، اور نہ جانے کیا کیا بنا کر رکھ دیتی ہے۔عہد قدیم سے عہد جدید تک لڑی جانے والی جنگیں کیا ہیں؟ ہر کس و ناکس بخوبی واقف ہے ان تمام جنگوں کا نصف حصہ کی بھی ذمے دار عورت نہیں، تو پھر مرد خود کو تعمیر پسند اور عورت کو تخریب کار کیسے کہہ سکتا ہے۔ہر شاعر نے کسی خاص لفظ کو اہمیت دی ہے مثلاً کسی نے اسیری، قفس، زنداں، صیاد کو تو کسی نے درد دل، دل نادان، ابن مریم، شمع، پروانہ، کسی نے شاہین، خودی، گنبد، بحر، کرگس، کسی نے صنم، چمن، صحرا جام و مینا، رقص و سرور وغیرہ الفاظ برتتے رہے ہیں۔پروین شاکر نے لفظ خوشبو' اس قدر استعمال کیا کہ اردو ادب میں ''خوشبو'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔ویسے ہی عذرا نے ہوا پانی اور مٹی، کو بطور خاص استعمال کرتی رہی ہیں۔کبھی استعارے کے طور پہ تو کبھی علامت و تشبیہات کے طور پہ بکثرت مل جائیں گے۔انسان کا آغاز مٹی ہے اور انجام بھی 'مٹی' لہٰذا مٹی سے مٹی' ہونے تک کے سفر کے تمام اسرار رموز کو مٹی کے پیرائے میں بیان کرنا ان کی حکمت عملی رہی ہو کہ زندگی کی حقیقت بس اتنی سی ہے۔

یہی وجہ کہ انھوں نے پہلے شعری مجموعہ کا نام بھی "راگ راگ مٹی' رکھا۔

مٹی ہوں میں میرا پانی کل میری آگ مٹی
میں سب سروں میں مٹی میں راگ راگ مٹی
خود اپنی مٹی میں بیدار آگ بھی آندھی
مجھے خمار گل سے پلید رہنے دیا
کھویا جو تیری خاطر سب کچھ تو کچھ نہ کھویا
اپنی بساط کیا تھی مٹی کا تیاگ مٹی

عذرا کی شاعری کا ایک وصف بہت نمایاں کہ انھوں نے اپنی شاعری میں دسمبر (ماہ دسمبر کو آج کے تقریباً تمام شعرا شاعرات استعمال کرتے رہے

ہیں) کے علاوہ دیگر انگریزی مہینوں کو شاید پہلی بار بطور استعارہ اور علامت کثرت سے استعمال کرتی ہیں۔ ہندی کے بارہ مہینوں پہ مشتمل بارہ ماسہ بہت مشہور ہے۔ جسے کئی شعرا نے لکھا ہے۔ اردو میں صلاح الدین پرویز بھی 'بارہ ماسہ' لکھ چکے ہیں

بہرحال! عذرا پروین کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کبھی اسپرش میں جولائی تھا وہ
کبھی خوشبوؤں میں فروری تھا
بس عنقریب دسمبر مری قبا ہوگا
سب انہا کہ ہے سورج کے بس نومبر تک
یہ کس نے ڈھانپ دیا مجھ کو سرد پھولوں سے
یہ رس برستا ہے یا فروری کی آمد ہے
اب بھی اپریل کہ آتے ہی

میرے چاروں طرف ایک روتی ہوئی عورت کی صدا تیرتی ہے دوسرے شعری مجموعہ کا نام "بارہ قباؤں کی سہیلی" ہے۔ اس مجموعہ میں ایک نظم اس عنوان سے شامل ہے۔ بارہ قباؤں کی سہیلی طویل نظم ہے۔

بارہ قبائیں دراصل بارہ مہینے ہیں

ان بارہ مہینوں کی سہیلی کوئی اور نہیں عذرا پروین ہیں۔ اور یہ عذرا عالمی گاؤں کی وہ عورت ہے جو خود کو آج بھی پدرانہ نظام کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسی ہوئی جکڑی ہوئی گھٹن سا محسوس کر رہی ہے، کھلی فضا بھی اس قدر پراگندہ ہو چکی کہ صاف وشفاف ہوا ناپید ہے۔ اگرچہ جال وہی پرانا ہے البتہ نام نیا دیا گیا، جسے ہم معاشی سیاسی سماجی مساوات کہتے نہیں تھکتے۔ لیکن اس مساوات کے پس پردہ مقاصد وہی رہے استحصال جبر وتشدد۔۔ عالمی گاؤں کی عورت کی حالت زار پچھلی صدی کی عورت سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ بلکہ پچھلی صدیوں کی بہ نسبت حیوانیت درندگی مزید اندوہناک انداز میں روا ہے۔ دیکھیں! ''فیشن چینل'' نظم میں کیا کہہ رہی ہیں۔

''تم اچھی بھلی عورت کو رنڈی تو بنا سکتے ہو
مگر رنڈی کو عورت نہیں بنا سکتے"

اور پھر ان کی نظم 'خارہ' ملاحظہ فرمائیں!

م تو صرف کتے ہی نکلے
میں تو اس میں مرد ڈھونڈتی تھی
میں اس مرد میں باپ بھی چاہتی تھی
میں تو اس باپ میں ایک بچہ بھی
میں اس بچے میں خدا بھی
مگر تم تم تو... صرف کتے نکلے
اور میں ماں نکلی"

بارہ قباؤں کی سہیلی کے اندر یہ بغاوت مرد اساس معاشرے کے رویے کے خلاف انحراف بغاوت نہیں بلکہ صدیوں صدی سے رائج عمل کا ردعمل ہیجو ہر اس کا شخص کا علامیہ ہے۔ جو ذی فہم ذی شعور ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے وجدان کی آنکھیں وا ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی طاقت اور صلاحیت کی بل پہ مدمقابل سے زور آزما ہوتا ہے۔ عذرا اپنی شعری طاقت کے توسط سے دست وگریباں ہیں۔ میں سیتا نہیں رام کی پڑی رہ جاؤں اس جنگل میں وفا کے نام پر انورادھا ماں نہیں رجنیش کی بنائی ہوئی کہ بنا لوں جسم کو سارو جنک موتر الیہ بغاوت اور آزادی کے نام پر مگر تم آریہ سماجی رجنیشی مومنو آؤ دیکھو اور سنو کہ ہم سورۃ النسا کے سارے رکوع ختم کر کے اٹھے ہیں اور تمہیں ہم خود سناتے ہیں سورۃ طلاق کے کچھ رکوع سماجی رویے کے خلاف اس قدر غم وغصہ اور شدید احتجاج ہمیں بہت کچھ سوچنے پہ مجبور کرتا ہے۔ تب اگر واقعی خانم تمہارا بنا ہوا لباس تھی تو یہ لباس چیخ کیوں بن گیا؟ وہ چیخ جو کفن کے لئے کورا لٹھا پھاڑتے وقت آکاش کو پکارتی ہے مگر بہرہ آکاش اس وقت بھی گا رہا ہوتا ہے۔

خانم تمہارا لباس ہے اور تم خانم کا لباس! یہ تم آخر ہے کون اور کہاں ہے

اور میرے خالق اتنا اور بتا دو کہ اگر تمھاری بنی قبا کو بھی تار تار کر دینے کی سہولت جبر کو حاصل ہے تو سچ سچ چپکے سے بتا دو کہ خدا کون ہوا بولو میرے خالق میں تمہاری ہی بنی ہوئی قبا بول رہی۔ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ انسان خدا کے حضور اپنا شکوہ کب پیش کرتا ہے۔ جب اس کی صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے یعنی کہ معاشرہ اپنی سماعت گنوا بیٹھتا ہے۔ آگے دیکھیں۔ بارہ قباؤں کی سہیلی نظم کے دو بند

"موسم مرے رہبر! مرے نادید معلم موسم مری شہہ رگ پہ آ گے سرخ شرارے
موسم مرے دلبر! دلِ نایاب پکارے میں نے تجھے اس بار بھی پہچان لیا
رے موسم مرے موسم! جو بھیس میں آیا تھا "دسمبر" کے وہ تو تھا۔

"اپریل' بانہوں میں جو منظر تھا وہ تو تھا جولائی' نہیں جس نے شرابور کیا تھا
وہ پہلی دفعہ جس نے مجھے چور کیا تھا موسم مرے موسم موسم میں ترے
دشت سبھی چھان چکی ہوں۔۔۔ موسم میں ترے بھی چھان چکی ہوں تو مجھ میں

بہت آگے ہے، میں ہوں ترا سایہ تو چھلتا ہے دنیا کو پہن کر مری کایا آزاد بس اب کردے مری سوچ کے دھارے رہنے دے مری مجھ میں کوئی ایک ادارے موسم مرے موسم موسم میں تری بارہ قباؤں کی سہیلی موسم دراصل لمحے گریزاں ہے جسے ہم نے سال مہینے ہفتوں میں منقسم کر رکھا ہے۔یعنی کہ گزرتا ہوا لمحہ جسے ماہ سال کا لبادہ پہنا دیا گیا ہے ۔لیکن یہ موسم ''لمحے گریزاں'' ہوتے ہوئے۔عالمی گاؤں بن جاتا ہے،اور یہ عالمی گاؤں عذرا پروین میں تحلیل ہوجاتا ہے کہ عذرا پروین کے 'ہونے سے یہ ووقت' ہے یا عالمی گاؤں' کا منظر نامہ ہے ۔عذرا پروین کا یہی وصف انھیں مزاحمتی اور انحرافی نسائی شاعری کی فہرست میں منفرد مقام عطا کرتا ہے۔۔ان کی یہ خوبی کہ ان کی شاعری پڑھتے ہوئے آپ یہ حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے، کہ یہ خوش ہیں یا اداس۔۔۔

عذرا کی شاعری کو اگر بھلا بھی دیا گیا تو ان کا یہ شعر کافی مشہور ہو چکا ہے۔ ضرب الامثال اشعار کی فہرست میں جگہ بنا چکا ہے۔میں پر امید ہوں کہ انھیں زندہ رکھے گا سچ کو حاجت سے بچا کر رکھنا سچ اکیلا ہے خریدار بہت عذرا ابھی فعال ہیں اور متحرک بھی کیوں کہ ان کے فن کا رقص ابھی ادھورا ہے آگ سے کہنا اور جلے یہ ہوا دیوانی اور چلے دل کا ہر گھنگھرو جھنکاؤ، میرا رقص ادھورا ہے۔

مومنین پاک

نگران وزیر تعلیم رحمت سلام مرحوم' کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ کسی عرب ملک میں ایک شیخ کے ساتھ کروڑوں کا فراڈ کر کے کرک بھاگ آیا۔وہ شیخ اپنے سفارت خانے کے تھرو اپنی لوٹی ہوئی دولت واپس لینے پاکستان پہنچ گیا۔ رحمت سلام کو پتہ چلا تو اس نے کرک کے مشہور بزرگ سیاست دان اسلم خٹک مرحوم جو کہ آکسفورڈ کا پڑھا ہوا تھا، سے مدد طلب کی۔انہوں نے اسے مرنے کا مشورہ دیا۔جس پر اس نے باقاعدہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ بنوایا اور اپنا مزار بھی۔شیخ جب کرک پہنچا تو اس کو رحمت سلام کے مرنے کے بارے میں بتایا گیا۔شیخ زاروقطار رونے لگا اور اصرار کیا کہ مجھے اس کی قبر پر لے جایا جائے۔قبر پر پہنچ کر شیخ نے اس کی بخشش کے لئے رقت آمیز دعا کی، لُوٹی ہوئی دولت بخش دی اور بقول راوی شیخ، رحمت سلام کے بچوں کو مزید لاکھ ریال دے کر واپس اپنے ملک سدھار گیا۔اب کرک میں یہ رحمت سلام مرحوم کے نام سے معروف ہیں۔ یہ جمعیت علماء اسلام کا مقامی رہنماء ہے اور خدا کی زمین پر خدا کا نظام قائم کرنے کے لئے قومی اسمبلی کا امیدوار بھی ہے۔نگران وزیر تعلیم کی اہم ذمہ داری کا بوجھ بھی اس پر لاد دیا گیا ہے۔آگے قوم کے نصیب۔

آرنلڈ اور حالی کے تصورِ معاشرہ اور ادب کا تقابلی جائزہ

(تنقید و نقد الانتقاد مقالہ ایم فل)

از قلم آفتاب شاہ

سرسید کا امید پرستانہ اور رجائیت سے بھرپور انداز حالی کی زندگی میں انقلاب لے آیا۔1879 میں مدو جزر اسلام المعروف مسدس حالی نے پورے ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا اور اس کے محرک سرسید ہی تھے۔مسدس کا بنیادی موضوع اصلاح اور مسلمانوں کے عروج زوال کا داغ تھا جس کا مقصد صرف دکھ بیان کرنا نہ تھا بلکہ اس زخم کا علاج بھی اس کتاب میں موجود تھا مسدس حالی کی شاعری میں وطن سے محبت، اصلاح پسندی، مقصدیت کا بیان، ادب برائے زندگی اور مقصد کا فروغ، سادگی، نظمیہ انداز، انفرادیت، سنجیدگی و وقار، خلوص، روائتی مضامین سے گریز اور نیا اسلوب متعارف کرایا گیا تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی تمام عمر حالی کا اندازِ فکر اور انداز تحریر بن گیا۔سرسید سے ملاقات اور رفاقت نے حالی کی زندگی کو مکمل تبدیل کر دیا 40 سال تک حالی نے سرسید کا ساتھ دیا اور صرف ساتھ نہیں دیا بلکہ تحریک علی گڑھ کے مردِ مجاہد بن کر ہر محاذ پر سرسید کا دفاع بھی کرتے رہے۔حالی سرسید کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے اسی لیے تہذیب الاخلاق میں مضامین بھی تحریر کیے اور نئی اصناف کی طرف توجہ بھی کی۔سرسید نے قدیم نثر کو جب جدت میں ڈھالا تو اس کا اثر ان کے رفقاء پر بھی پڑا اور حالی ان میں سے ایک خیال کئے جاتے ہیں۔حالی سرسید کی وفات کے بعد بھی اسی مشن سے جڑے رہے اور 1914 میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔حالی کی شخصیت کیونکہ سرسید کے حصار میں تھی اس لئے ان کے ادبی کردار میں سرسید کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔حالی گو کہ مذہبی آدمی تھے لیکن اس وقت جب کہ جدید تعلیم اور ادب میں عقل و منطق کے استعمال کو انتہائی برا خیال کیا جاتا تھا۔حالی نے نہ صرف ادب میں ان تجربات کو عملی شکل دی بلکہ مدلل اور عقلی اسلوب کو نکتہ انتہاء تک پہنچا دیا۔سرسید کی وجہ سے اصلاح پسندی اور مقصدیت تحریکِ علی گڑھ کے لکھاریوں کا طرہ امتیاز ٹھہرا۔ڈپٹی نذیر احمد سے شبلی اور شبلی سے حالی تک میں یہی انداز واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔تحریکِ علی گڑھ نے اردو ادب کو ایک نیا اسلوب اور انداز تحریر عطا کیا۔سرسید محسنِ اردو ہیں خاص طور پر نثر کو انہوں نے ایک نیا لہجہ عطا کیا اسی لیے سرسید کو جدید نثر کے بانی کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔یہ تحریک علی گڑھ کا ادبی پلیٹ فارم ہی تھا جہاں سے سرسید نے مضمون نگاری کا وہ رنگ اختیار کیا جو بعد میں آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ناول نگاری کا باقاعدہ آغاز ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی اور تبلیغی ناولوں سے ہوتا ہے۔سوانح نگاری کا بیج سرسید نے اپنے نانا پر لکھی گئی تحریر سے بویا تھا لیکن سوانح نگاری کو اوجِ کمال تک شبلی

اور حالی نے پہنچایا۔اردو ادب کی یہ اصناف جدید عہد میں نئے روپ سے سامنے آئیں لیکن ان کا سہرا ہمیشہ سرسید کی تحریک علی گڑھ کو ہی جاتا ہے۔مسدس حالی کے دیباچے میں حالی رقمطراز ہیں: قوم کے ایک سچے خیرخواہ نے جو اپنی قوم کے سوا تمام ملک میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے آکر ملامت کی اور غیرت دلائی کہ حیوانِ ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے۔یہ اندازِ فکر تمام عمر حالی کے اسلوب سے وابستہ رہا۔زمانے سے حالی اس لئے نالاں تھے کہ کوئی ہنر کی طرف توجہ نہیں کرتا اور شعراء کیونکہ معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں اس لئے حالی ان پر دکھ کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ حالی کی مدوجزر اسلام المعروف مسدس حالی نے ان کو وہ آفاقیت عطا کی جس کا کوئی شاعر محض خواب ہی دیکھ سکتا ہے۔لیکن حالی کا محض یہی وہ کارنامہ نہیں ہے جس کی بنا پر وہ یاد رکھے جائیں گے۔انہوں نے تنقید جیسی مشکل اور پیچیدہ صنف کو اختیار کیا اور آج بھی حالی کو اردو تنقید کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ان کی کتاب مقدمہ شعروشاعری نے اردو ادب میں ایک تہلکہ مچا دیا۔اس کتاب میں حالی کی سوچ اور فکر کا ایک الگ جہاں آباد نظر آتا ہے جہاں پر عقل کی شاخوں سے دلیل کے پتے وجود پاتے ہیں۔جہاں دلیل کو خلوص کا لباس پہنا کر فکری رعنائی عطا کی گئی ہے۔جہاں حقیقت کو تحریر عکسِ جاوداں بنا کر آفاقیت کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔مقدمہ شعروشاعری میں اگر تنقیدی اصولوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے تو وہیں پر عملی تنقید کی صورت نمایاں نظر آتی ہے۔عمرانی رنگ حالی کا وہ وصف ہے جس کی وجہ سے وہ ایک عمرانی نقاد کے طور پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔گو کہ حالی مقصدیت اور اصلاح کے جذبہ سے اپنی تحریر کو معاشرے میں پیش کرتے ہیں لیکن ادب کی خدمت کا رنگ بھی حالی کے خلوص کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

حالی کا تصورِ معاشرہ:

ادب میں حالی کو اس لیے بھی بہت اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے ان نظریات کو ادبی روایت میں پرو کر عوام کے سامنے پیش کیا جن کو لکھنا عجیب سمجھا جاتا تھا۔ادب کا سب سے بڑا حصہ شاعری پر مشتمل ہے اور حالی بھی شاعری سینہ صرف شغف رکھتے تھے بلکہ وہ اس کی اصلاح کے بھی خواہاں تھے۔حالی کے باقاعدہ تنقیدی نظریات مقدمہ شعروشاعری میں نظر آتے ہیں جو 1893ء میں منظرِ عام پر آئی۔گو کہ 1882ء سے ہی حالی اس بارے میں لکھنے کا سوچتے رہے لیکن ان کا یہ کام تقریباً گیارہ سال بعد تکمیل پزیر ہوا۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حالی کے دماغ میں مقدمہ لکھنے کا خیال پرانا تھا لیکن جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب حالات سازگار ہیں تو انہوں نے اس کو شائع کروانا مناسب سمجھا۔مقدمہ شعروشاعری کے ساتھ ہی حالی کا دیوان بھی شائع ہوا جس کو دیوانِ حالی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ان دونوں کتب پر حالی کی اچھی خاصی رقم صرف ہوئی مقدمہ شعروشاعری حالی کی تنقیدی کتاب ہے جس کو اردو تنقید کا ابتدائیہ کہا جاتا ہے۔اس سلسلے میں وحید قریشی لکھتے ہیں: حالی نے ناہن کا سفر اور پھر علی گڑھ کا سفر مقدمہ شعروشاعری کی تدوین کے لیے کیا۔سب سے پہلے مقدمہ لکھنے کا خیال انہیں 9 جنوری 1882ء میں ہوا۔جب انہوں نے دہلی میں قیام کیا اور پانی پت میں سعید اکبر صاحب عثمانی کو خط لکھا تھا کہ قاضی صاحب مرحوم کے کتب خانے سے ازہر (مصر کی چھپی ہوئی) جو اصول علم لغت پر جلال الدین سیوطی نے لکھی ہے حاصل کر کے بھیجیں۔اس کتاب کی تخلیق میں حالی نے اپنی تمام صلاحتیں صرف کر دیں گو کہ حالی کے معاشرے کی اصلاح اور ادب کی ترویج کے خیالات ان کی باقی کتابوں میں بھی موجود نظر آتے ہیں لیکن مقدمہ شعروشاعری میں انہوں نے مدلل اور منطقی انداز تحریر استعمال کر کے آنے والے وقتوں کے لئے کئی سوالات ایسے چھوڑے ہیں جن پر بحث کرنا آج بھی اتنا ہی ضروری ہے۔جتنا کہ سو سال پہلے تھا اور شاید یہ چلن ہر دور میں ایسا ہی رہے کیونکہ ادب کی معاشرتی جڑیں یکساں رہتی ہیں لیکن شاخوں اور پتوں پر موسمی اثرات ضرور نمایاں نظر آتے ہیں۔حالی ادب کے برگد کی جڑوں کا مطالعہ کر کے شاعری کے پھل کا تجزیہ کرتا ہے اور ماحول اور زندگی کے عوامل کا اس کے ذائقے کے اثرات کا فیصلہ تحقیقی عمل سے جوڑ دیتا ہے۔

مقدمہ شعروشاعری:

اردو میں تنقید کی باقاعدہ روایت حالی کی مقدمہ شعروشاعری سے سامنے آتی ہے۔حالی سے پہلے کچھ تذکرے موجود تھے جس میں شعراء پر تبصرہ کیا گیا تھا لیکن اصول اور قوانین کو سامنے رکھتے ہوئے مدلل انداز سے یہ تذکرے کوسوں دور سمجھے جاتے ہیں۔یہاں تک کہ مولانا محمد حسین آزاد کی آبِ حیات پر بھی یہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں تحقیق اور تنقید کے اصولوں کے پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔حالی کی تنقید نگاری سے پہلے جو فارسی کے تذکرے لکھے گئے تو ان کی حیثیت محض ذاتی رائے کی سمجھی جاتی ہے۔حالی کو تنقید نگاری کا شغف کیسے ہوا؟ یہ سوال خاصا مشکل ہے لیکن یہ بات تو تسلیم کی جاتی ہے کہ حالی اپنے عہد کی شاعری اور شعراء سے مطمئن نہ تھے۔اس لئے وہ ان کو بتانا چاہتے تھے کہ شاعری کا حقیقی رنگ کیا ہے۔لاہور میں بک ڈپو کی ملازمت کے دوران انگریزی کتب کے تراجم سے حالی پر بہت سے راز آشکارا ہوئے۔خاص طور پر انگریزی شاعری اور تنقید بھی نگاہوں سے گزری۔اردو ادب میں آزاد اور حالی نے جونیچرل شاعری کا ڈول ڈالا تھا تو اس کی وجہ بھی مغربی شاعری کے اثرات تھے۔ان تراجم کی اصلاح کرتے ہوئے حالی کو یہ گمان گزرا کہ اردو شاعری اور شعراء کو بہت کچھ سیکھنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔حالی کا دماغ پہلے ہی اصلاح پسندی کی طرف مائل تھا۔انجمن پنجاب کے مشاعروں میں جدید نظمیہ انداز نے ان کو مزید تجربات کی طرف مائل کر دیا تھا۔اب حالی جہاں جدت کی طرف

مائل تھے وہیں پر وہ اردو ادب کی پرانی روایات کو بھی نئے اصولوں کی روشنی میں پرکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ان کا سفر مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔اس راہ میں غیر تو غیر اپنے بھی راہ کی رکاوٹ بنتے نظر آرہے تھے خاص طور پر ادبی طبقات یہی خیال کررہے تھے کہ حالی کا تنقیدی رویہ اصل میں ان کے خلاف ایک محاذ کھڑا کرنے کی سازش ہے۔اس سلسلے میں لکھنؤ کے شعراء نے تو باقاعدہ مقدمہ شعروشاعری پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردی۔اس حوالے سے سلطان انجم کہتے ہیں: سرسید کے بعد جس پر سب سے زیادہ اعتراضات کی بوچھاڑ پڑی وہ حالی ہیں

ایک تو وہ ہر شخص جس کا تعلق سید احمد خاں سے تھا مردود سمجھا جاتا تھا۔اس پر ان کی شاعری جو عام رنگ سے جدا تھی وہ نشانہِ ملامت بن گئی اور مقدمہ شعروشاعری نے تو خاصی آگ لگادی۔اہلِ لکھنؤ اس معاملہ میں چھوئی موئی سے کم نہیں۔وہ معمولی سی تنقید کے بھی روادار نہیں ہوتے۔انہیں یہ وہم ہوگیا کہ ساری کاروائی انہیں کی مخالفت میں کی گئی ہے۔پھر کیا تھا ہر طرف سے نکتہ چینی اور طعن وتعریض کی صدا آنے لگی۔۔

حالی پر ان اعتراضات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایک بات تو عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ معاشرہ جو دلیل سے الگ ہوچکا ہو اور جہاں پر منطق کی بجائے بات منوانے کا رواج ہو وہاں کی فضا نئے خیالات کی آمد مبارکبادی کی صداؤں سے نہیں طعن وتشنیع کے شور سے گونجتی ہے لیکن آفاقیت کا کمال ہی یہی ہے کہ وہ زمانے سے داد وصول کر کے رہتی ہے چاہے اس کے لیے اسے صدیوں کا سفر طے کرنا پڑے۔حالی نے زمانے کی دشمنی تو مول لے لی لیکن اپنے مشن سے پیچھے نہ ہٹے۔وہ معاشرہ جس کو عشق و محبت اور حسن و جمال کی رعنائیوں میں پناہ لینا پسند تھا وہ حالی کی مقصدیت اور اصلاح پسندی کو کس طرح قبول کرسکتا تھا؟ وہ میدان جہاں شعر کا خمیر عورت کے اعضاء اور رعنائی کے تصور سے مہکتا ہو وہاں پر ملت اور قوم کا درد قابلِ قبول کیونکر ٹھہرتا؟ وہ معاشرہ جہاں ہنرمند اور علمی استعداد کی بجائے شاعر بننا زیادہ ضروری خیال کیا جاتا ہو وہاں حالی جیسے نوحہ گر کی قدر و قیمت کیونکر پیدا ہوتی؟ حالی کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے ایسے احباب میسر آگئے جو خود معاشرتی تنقید کا شکار تھے۔اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انہیں اصلاحِ معاشرہ کا خیال اس قدر زیادہ تھا کہ ملت اور قوم کے لیے اپنی عزت ہیچ دینا بھی معمولی خیال کیا جاتا تھا۔حالی کے نزدیک شاعری بھی عبادت کی طرح تھی۔آغاز میں تو وہ خود بھی اس روش کا شکار ہوئے لیکن بہت جلد اس بھیڑ چال سے الگ ہوگئے۔حالی دیوانِ حالی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں غرضیکہ ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا۔بلکہ جس شعر میں چاشنی نہ ہوتی تھی اس پر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔خود بھی جب یہ سودا اچھلا آنکھیں بند کیں اور اسی شارع عام پر پڑ لیے جس پر راہگیروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔قافلہ کا ساتھ، راہ کی کی ہمواری اور رہگزر کی فضا چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے کا کبھی خیال نہ آیا۔مگر جب آفتابِ عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا تو وہ تمام سیمیائی جلوے جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے رفتہ رفتہ کافور ہونے لگے۔غزل وتشبیب کی امنگ انفعال کے ساتھ بدل گئی اور جس شاعری پر ناز تھا اس سے شرم آنے لگی۔یعنی حالی کے یہ خیالات مقدمہ شعروشاعری لکھنے سے پہلے تھے یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے باقاعدہ تنقید کی کتاب لکھی تو ان ہی خیالات کو مدِ نظر رکھا جس کے تحت وہ خود شاعری کررہے تھے۔یقیناً حالی نے انگریزی ادب سے اپنے خیالات کی شمع روشن کی ہے لیکن ان خیالات میں مشرقی شاعری اور وہ بھی اردو شاعری کا جس انداز میں تجزیہ کیا گیا ہے وہ آج بھی قابل بحث ومباحثہ ہے۔حالی نے مقدمہ شعروشاعری کو اپنے خلوص اور ایمانداری کا وہ علمی نشان بنا دیا جس پر چاہے کوئی تنقید کرے یا تعریف کرے ہر دو صورتوں میں حالی کے تنقیدی در سے ہوکر گزرنا ضروری ہے۔حالی نے ہر وہ طریق اختیار کیا جس سے مقدمہ کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔اول تو تحقیق کے طریق نے اس کتاب کو خاصے کی چیز بنادیا ہے دوم حوالہ جات مستند ترین شامل کیے گئے ہیں اس کے بعد اپنی علمی صلاحیت کو بروئے کار لاکر مختلف موضوعات پر موازناتی بحث کا ڈول ڈالا گیا ہے۔غرض اس کتاب کو لکھتے وقت کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔حالی کا کمال ہی یہی ہے کہ وہ زمانے سے ڈرتے نہیں ہیں اور سچ لکھتے وقت رُکتے نہیں ہیں۔ان کو اس بات ادراک تھا کہ زمانہ اس کاوش کو فوری طور ہر قبول کرنے سے قاصر رہے گا لیکن انہوں نے قدیم روش پر چلنے سے صرف انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے جدت کے راستے پر چل کر آنے والوں کے لیے نئی راہیں بھی ہموار کردیں۔یہی وجہ ہے کہ وقت نے ان کو جو شہرت اور عزت عطا کی وہ اور کسی کے حصے میں شاید ہی آئی ہو۔ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں: مقدمے کے عربی ماخذوں میں جلال الدین سیوطی کی مزہر، ابنِ خلدون کی مقالات علمِ ادب، ابن رشتیق کی کتاب العمدۃ اور رسالہ نملہ کے فائل قابلِ ذکر ہیں۔اردو ماخذوں میں سب سے بڑا ماخذ آبِ حیات ہے جس کا اثر جابجا کتاب میں نظر آتا ہے۔تدوین کے بعد اردو ڈکشنری (جو غالباً فرہنگ آصفیہ ہے) تاریخ ہند (ذکاء اللہ) منتہی الارب (چہار جلد)۔ترمذی اور مظہر جمیل (کتابِ حدیث) کا ذکر بھی آتا ہے جو غالباً کتاب کی نظر ثانی کے وقت استعمال ہوئی ہوں گی۔مقدمہ شعروشاعری کا مکمل احاطہ کرنا انتہائی مشکل کام ہے لیکن اس کتاب اور حالی کی باقی کتابوں سے ان کے تصورِ معاشرہ اور ادب کو سمجھا جاسکتا ہے۔اصل میں حالی ادب کو معاشرے کا لازمی جز وسمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ شاعری کو حقیقی رنگ میں دیکھنے کے خواہاں تھے۔لیکن مقدمہ شعروشاعری لکھنے سے پہلے ہی حالی اپنی شاعری میں بدلاؤ لا چکے تھے جس کی وجہ سے ان کی سوچ خاصی واضح ہوچکی تھی اور وہ ان ہی خطوط پر چلتے۔

پریم وار برٹنی کی شاعری کی معنویت و اہمیت

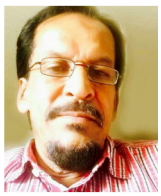

سراج زیبائی

شاعر معاشرۂ انسانی کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ عہد کے مسائل کو سمجھتے ہوئے اپنی شاعری میں حقیقت کا اظہار بڑی خوبصورتی سے کرتا ہے۔ عصر حاضر کے ہر المیے کو بھی شاعر ہی قلم زد کرتا ہے۔ پریم وار برٹنی ایسے بلند پایہ فنکار تھے جن پر ہر مکتبۂ فکر کے نقاد نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ جہاں تک ان کی شخصیت کا تعلق ہے یہ سراپا خلوص اور بے حد شریف تھے۔ شرافت ان کے لہجے کی ایک بڑی صفت تھی۔ جبھی تو ان کے چاہنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اردو زبان ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی۔ ان کے اشعار اس دکھ اور کرب کا احساس دلاتے ہیں جو رومانیت سے عصری حسیت تک کے تکلیف دہ سفر طے کرنے میں انھیں جھیلنا پڑا۔ پریم وار برٹنی کی شاعری میں وہ تمام عوامل کارفرما ہیں جو ایک اچھی شاعری کی پہچان ہوا کرتے ہیں۔ ان کے شعروں کو پڑھ کر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دور جدید کی لفظیات کو اس ہنرمندی سے اپنی شاعری میں انہوں نے استعمال کیا کہ یہ ان کی ایک الگ پہچان ہوگئی۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ جتنا پریم وار برٹنی کی شاعری پر لکھا جانا چاہئے اتنا نہیں لکھا گیا۔ آج کے دور میں غیر معتبر شعراء پر تو ہمارے اہل فن نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن صحیح معنوں میں جو قابل ترین اہل قلم ہیں ان پر کم توجہ دی گئی ہے۔ موصوف کی شاعری محض ایک سرسری مطالعے کی چیز نہیں ہے بلکہ اسے پڑھ کر شاعر کی عظمت وصلاحیت کا بھرپور جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ان کی ہر غزل مطالعہ طلب اور معانی ومفاہیم کا ایک گنجینہ ہوتی ہے۔ انہوں نیکلاسیکی شاعری کو بھی فکر ونظر کی ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ ان کے اشعار کے ذریعے ان کے فکر وفن کو سمجھنے کے ساتھ ہی ان کی قادرالکلامی اور کلام کے حسن کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں بلند خیالی اور اولوالعزمی کے ساتھ ہی سادگی اور معصومیت بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کی شاعری اظہار و بیان کی تازگی کی وجہ سے فوراً اپنی جانب متوجہ کر لیتی ہے۔

پریم وار برٹنی کے اشعار طہارت فکر کی خوبصورت مثال ہیں۔ ان میں زندگی کی مثبت قدروں کا شعور دیکھا جا سکتا ہے۔ شگفتہ بیانی، اسلوب کی تازگی اور لب و لہجے کی نرمی ان کی شاعری کو فن کے اعلیٰ منصب پر پہنچا دیتی ہے۔ ان کی شاعری غم ذات اور غم جاناں کی آئینہ دار ہیں اور انہوں نے احترام آدمیت رواداری اور نفسیاتی مسائل جیسے پہلوؤں سے اپنی شاعری کو سجایا ہے۔ ان کی شاعری کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ انہوں نے زمینی حقائق کی تشریح کو اپنا شیوہ بنایا ہے۔ نئے تجربوں کو انہوں نے بروئے کار لا کر اپنی انفرادیت درج کرائی ہے۔

پریم کی غزلوں میں کلاسیکی رچاؤ کی عمدہ مثالیں موجود ملتی ہیں۔ ان کی شاعری میں جو کشمکش حیات اور جاں گسل سانحات شامل ہیں وہ ان کی بالغ نظری کا ثبوت ہیں۔ یہ چند اشعار ان کی وسعت فکر کو اجاگر کرتے ہیں۔

گفتگو کیوں نہ کریں دیدۂ تر سے بادل
لوٹ آئے ہیں ستاروں کے سفر سے بادل

بھری بہار کا سینہ ہے زخم زخم مگر
صبا نے گائی ہے لوری شفیق ماں کی طرح

خود کلامی دھیما لہجہ مکالمہ سازی سب نے مل کر ان کے کلام کی افادیت بڑھا دی ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں بھی گیت کی کیفیت نظر آتی ہے۔ رومانیت اور غنائیت دونوں عناصر ملتے ہیں تو تاثیر اپنا جادو دکھاتی ہے۔

زندگی پوچھے ہے رو کر کسی بیوہ کی طرح
چوڑیاں کون مرے ہاتھ میں پہنائے گا

مقتل کی بے رحم فصیلیں سر تک آ پہنچی ہیں آخر
میرے جسم کی دیواروں سے اب تو کوئی ہٹائے پتھر

شعر گوئی میں موضوع کے علاوہ اسلوب کو بھی اہم قرار دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ان کے موضوع کئے ہوئے اشعار کا مطالعہ باعث تسکین ہے۔ ان کی غزلیں فرحت کا احساس دلاتی ہیں۔ انسانی زندگی کے مختلف رنگوں اور زاویوں کو پریم وار برٹنی نے اپنی غزلوں اور نظموں میں جس حسن کاری کے ساتھ ابھارا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔ پریم بعض موضوعات کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ ہر موضوع پر نہایت سچے تلے انداز میں شعر کہتے تھے۔ ان کی سلاست اور روانی ایک ایسا ترنم پیدا کر دیتی ہے کہ دل وجد میں آ جاتا ہے اور ہر زیر و بم کے ساتھ ہچکولے کھانے لگتا ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں۔

رات کی کوکھ کوئی چاند کہاں سے لائے

یہ زمیں بانجھ ہے برسے کہ نہ برسے بادل
آخری خط تو لکھوں گا میں لہو سے خود کو
اب بھی مایوس جو لوٹے ترے در سے بادل

شاعر جب حسن وعشق کی ترجمانی کرتا ہے اس کے اظہار میں عجز وانکساری اور متانت ہوتی ہے۔ بطور دلیل یہ اشعار دیکھیں۔

پرنور ہے ہمیں سے خرابہ حیات کا
راتوں کا رنگ تم ہو اجالوں کی آس ہم
اب تو یادوں کے افق پر چاند بن کر مسکرا
روتے روتی ہوگئی ہے شام تیرے شہر میں
میں ایک خواب سہی آپ کی امانت ہوں
مجھے سنبھال کے رکھئے گا جسم و جاں کی طرح

ہم پریم وار برٹنی کی غزلوں کی قرات کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری میں زندگی کے کئی حقائق موجود ملتے ہیں۔

ان کے شعروں میں بعض جگہوں پر انسانی قدروں کی پامالی اور اخلاق و کردار کے فقدان کا ذکر بھی ہوا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ ساتھ سماجی شعور اور عصری حسیت بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ پریم وار برٹنی کے ترسیل و ابلاغ کی کیفیت سے بھر پور اشعار نہ صرف لائق مطالعہ ہیں بلکہ اپنے آپ میں ایک جہان معنی آباد کرتے ہیں۔ شاعرا پنے کلام میں اپنے قلبی واردات کو بڑی سلیقگی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اور سماجی و سیاسی شعور بھی پوری آب وتاب کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے شعراء اگر مجموعی طور پر سنجیدہ ہو جائیں تو غیر انسانی استحصال کو اپنی شاعری میں اجاگر کر سکتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ شاعر معاشرے کی آنکھ ہوتا ہے۔ ایسے میں عہد حاضر کے حالات سے وہ بے خبر نہیں رہ سکتا اور وہ برابر سارے حقائق کا اظہار پوری دیانت سے اپنی شاعری میں کر دیتا ہے۔

چند خوبصورت اشعار موصوف کے جو اس وقت ہمارے حافظے میں محفوظ ہیں وہ یہ ہیں۔

کبھی کھولے تو کبھی زلف کو بکھرائے ہے
زندگی شام ہے اور شام ڈھلی جائے ہے
آخر اس کی سوکھی لکڑی ایک چتا کے کام آئی
ہرے بھرے قصے سنتے تھے جس پیپل کے بارے میں
تم نے لکھا ہے مرے خط مجھے واپس کردو
ڈر گئیں حسن دل آویز کی رسوائی سے

اور پھر یہ قطعہ

اپنے ماتھے پہ سجائے ہوئے صندل کی تلک
آج آئی ہے تری یاد کی جوگن ایسے
آرتی میری اتارے گی مرے ہی گھر میں
اور پھر لوٹ کے جائے گی نہ شاید جیسے

پریم وار برٹنی کے شعری مجموعوں میں سے جو تین مجموعے ہماری نظروں سے گذرے ہیں وہ یہ ہیں۔

خوشبو کا خواب، میرا فن میرا لہو، میرے اندر ایک غرض شاعری کا ستھرا ذوق رکھنے والوں کو پریم وار برٹنی کی شاعری خوب مزہ دیتی ہے۔

ادبی شاعری کے ساتھ پریم وار برٹنی نے کئی ہندی فلموں میں بھی بڑے خوبصورت نغمے لکھے ہیں۔ ان کا لکھا ہوا پہلا ہی گیت مشہور گائیکہ لتا منگیشکر کی آواز میں ریکارڈ ہوا تھا۔ گیت کے بول تھے۔

دل جلے گا تو زمانے میں اجالا ہوگا
حسن ذروں کا ستاروں سے نرالا ہوگا

جب پریم وار برٹنی سے موجودہ فلموں کے گھٹیا پن کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ نئی نسل کی گھٹیا پسند ہی اس کا سبب ہے جسے فنون لطیفہ سے کوئی سروکار نہیں اور جو زندگی کو صرف جسمانی تقاضا تصور کرتی ہے۔ روحانی نہیں۔ فلم کے پست درجہ معیار کی ذمہ داری پروڈیوسروں ڈائریکٹروں اور ایکٹروں پر بھی عائد ہوتی ہے جو فن سے زیادہ کمرشیل پہلو پر توجہ دیتے ہیں۔

تو قیر اے خان

یاد ہے مجھ کو وہ گِلہ کرنا
اپنا اچّھا، میرا بُرا کرنا
کیا کروں، مجھ کو اچھّا لگتا ہے
ہر گھڑی، تیرا تذکرہ کرنا
بھولتے ہی نہیں، وہ دن مجھ کو
تجھ سے مل کر، غزل کہا کرنا
میں تیری داستان لکّھوں گا
تو میرا واقعہ لکھا کرنا
میں نے سیکھا ہے، یہ بزرگوں سے
بے وفاؤں سے بھی، وفا کرنا
مشکلیں، میرے چار جانب ہیں
میرے حق میں، ذرا دُعا کرنا
میرے بس میں نہیں ہے، یہ تو قیرؔ
منقطع، اُن سے سلسلہ کرنا

خاموش صدائیں۔ایک مختصر جائزہ

ڈاکٹر محمد زاہد

''خاموش صدائیں'' کلکتہ کی معروف افسانہ نگار اور بنگا باشی مارننگ کالج کی صدر شعبۂ اردو محترمہ صبیحہ تزئین کی تازہ کاوش ہے جس میں اردو زبان کے بارہ تخلیق کاروں کے وہ افسانے شامل ہیں جن کا موضوع محبت ہے۔ اسمیں جہاں قرۃ العین حیدر، قاضی عبدالستار اور عبداللہ حسین جیسے نامور قلم کار ہیں وہیں عمر عادل اور سہیل وحید جیسے نسبتاً کم عمر افسانہ نگاروں کی تخلیقات بھی موجود ہیں۔ پاکستان نے زاہدہ حنا، جرمنی سے منیر الدین احمد اور مغربی بنگال سے صدیق عالم اور خورشید اکرم جیسے معتبر ناموں کو جگہ دی گئی ہے۔ ساتھ ہی ضمیر الدین احمد، شفیع جاوید، اشرف عالم ذوقی کے فن پاروں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ کتاب میں پروفیسر نجمہ رحمانی (دہلی یونیورسٹی)، ڈاکٹر ندیم احمد (کلکتہ یونیورسٹی) اور اظہار احمد ندیم (مالک، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی) کی آراء شامل ہیں۔ صبیحہ صاحبہ کے ذہن میں اس کتاب کو ترتیب دینے کا خیال کیوں آیا۔ یہ ان کی زبان سنئے۔ لکھتی ہیں اردو افسانے کی سو سالہ تاریخ میں نے شمار اعلیٰ کی کہانیاں لکھی گئی ہیں لیکن محبت کے موضوع پر محیط کہانیاں تلاش کی جائیں تو شاید بہت زیادہ نہیں ملیں گی۔ ان میں بھی ایسی کہانیاں جو کسی نہ کسی طور یادگار رہوں اور بھی کم ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مختلف موضوعات پر اب تک اردو کہانی کے بے شمار انتخاب چھپ چکے ہیں لیکن محبت کے افسانوں کے انتخابات کم ہوتے ہیں۔ یہ انتخاب اس کمی کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے۔'' (صفحہ ۱۳، کتاب ھذا) محبت ایک بہت وسیع موضوع ہے۔ اسکی بہت سی پرتیں اور پہلو ہیں۔ محبت کرنے والے کردار بھی کسی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان کی نفسیاتی کشمکش، سماجی اقدار، نظریات، حالات، ان سے سرزد ہونے والے افعال اور پھر ان کا عمل اور ردّعمل۔ محبت کے ساتھ، جرا اور درد بھی آجاتے ہیں۔

ایسے میں محبت کے تناظر میں مرد اور عورت کی نہ کیفیات یکساں ہوتی اور نہ ان کا ردعمل ایک جیسا ہوتا ہے۔ صنف نازک جہاں اپنے محبوب کو کھو کر حالات سے سمجھوتہ کر کے زندگی کے نشیب و فراز میں کھو جاتی ہے وہاں مرد سماج سے بغاوت کر دیتا ہے یا صنف نازک سے برگشتہ ہو جاتا ہے یا تشدد کے راستے اختیار کر لیتا ہے۔ کمزور لوگ خودکشی کر لیتے ہیں یا اندھیروں میں کھو جاتے ہیں۔ صبیحہ چونکہ خود عورت اور افسانہ نگار ہیں، اس لئے ان کے پسند کردہ افسانوں میں زندگی کے مثبت پہلو اور نازک مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔ ان کہانیوں کے کردار حقیقت کے زیادہ قریب ہیں۔ ان کے دل اور دماغ میں محبت اور اس سے متعلق کشمکش ملتی ہے۔ ماحول کا ادراک ملتا ہے۔ کہیں ان کو زمانہ ہرا دیتا ہے اور کہیں وہ خود سے ہار جاتے ہیں۔ محبت میں کوئی ہار کر جیتتا ہے اور کوئی جیت کر بھی ہار جاتا ہے۔ اس مجموعہ کی پہلی کہانی قرۃ العین حیدر کی نظارہ درمیاں ہے۔ اس کی ہیروئن ایک پارسی لڑکی پیروجا جہانگیر دستور ہے جو ہندوستان سے پیرس ایک اسکالرشپ پا کر جاتی ہے۔ وہاں اس نے سانوی میں ڈگری حاصل کی اور چند برسوں تک میوزک کالج میں ریسرچ کرتی رہی۔ وہاں اسکی ملاقات ایک مسلم خورشید عالم سے ہوتی ہے جو وائلن بجانے کا شوق رکھتا ہے۔ دونوں کی ملاقاتیں محبت میں بدل جاتی ہیں۔ خورشید اچانک اپنے والد کی حالات کے سبب ہندوستان آنا پڑتا ہے وہیں کچھ دنوں بعد ہیروجا بھی بمبئی آجاتی ہے اور اپنے منگیتر سے ملنے کی امید لئے ایک ارٹیس کی دس سالہ لڑکہ کو پیانو سکھانے کے لئے ٹیوشن دینے لگتی ہے۔ ساتھ ہی ایک کانونٹ (Convent) کالج میں عارضی ملازمت بھی پا جاتی ہے لیکن مرنے سے پہلے وہ اپنی آنکھیں عطیہ کر جاتی ہے جو بعد میں تارابائی کے اندھے پن کو دور کرنے کے کام آتی ہیں۔ یہ لڑکی تارابائی خورشید اور الماس کی کوٹھی میں کام کرتی ہے۔ ایک دن آئی سپیشلسٹ ڈاکٹر صدیقی خورشید اور الماس کے سامنے یہ راز بیان کرتے ہیں تو دونوں پر جیسے بجلی گر پڑتی ہے۔ خورشید کے سامنے ان کی ہیروجا کی آنکھیں تھیں جس سے وہ انہیں دیکھ رہی تھی مگر وہ ہیروجا کو چھو نہیں سکتے تھے۔ الماس دولت کا بل پر خورشید کو حاصل کر لیتی ہے لیکن ہیروجا مر کر بھی جیت جاتی ہے اور وہ جیت کر بھی ہار جاتی ہیں۔

اس مجموعہ کی دوسری کہانی قاضی عبدالستار کی ''رضّو باجی'' ہے جس کا مرکزی کردار رضّو چند لمحوں کی محبت کو اپنی زندگی کا اثاثہ سمجھتی ہے اور بوڑھی ہونے تک اس جذبہ کی پاسداری کرتی ہے۔ وہ اپنے محبوب کو پانے کے لئے انتظار کرتی ہے لیکن اپنے منہ سے حال دل کہہ کر خود کو رُسوا نہیں کرتی۔ وہ خاندانی دباؤ کے تحت شادی کرنے کے بجائے آسیب زدہ ہونے کا سوانگ رچا لیتی ہے۔ اسکے محبوب کی شادی ہو جاتی ہے تب بھی وہ چپ رہتی ہے۔ اس کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں تب بھی رضّو اپنی وضع داری اور مقانت نیز وقار کو برقرار کر رکھتی ہے۔ حج پر جانے سے پہلے وہ اپنے محبوب اجن کو خط لکھ کر بلواتی ہے اور اس سے یوں گویا ہوتی ہے ''مجھ پر جناب نہیں آتے اجّن میاں! میں جناتوں کو خود

بلا لاتی ہوں۔ اگر جنات نہ آتے تو کوئی دولہا آچکا ہوتا اور تب اگر حیاتوں کا کنواں، عباس علم اور ضریح مبارک تینوں میرے دامن ایک مراد سے بھر دینے کی خواہش کرتے تو میں کیا کرتی؟ کس منہ سے کیا کہتی۔ اس لئے میں نے یہ کھیل کھلا تھا۔ اسی طرح جس طرح تم چڑھنے میں تم مجھ سے کھیل رہے تھے۔ نہ اسمیں تمہارے لئے کوئی حقیقت تھی اور نہ اسمیں رضّو کے لئے کوئی سچائی ہے.....'' (صفحہ ۵۱، کتاب ھذا) اس کہانی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ رضّو کو اپنی محبت پر پورا بھروسہ ہے۔ اسے اپنے محبوب کے دل تک رسائی حاصل ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ وہ اگر خط لکھے گی تو اسکا محبوب اجّن ضرور اس سے ملنے آئے گا۔ لوگ حج رجانے سے پہلے دوسروں سے اپنے گناہ معاف کراتے ہیں۔ یہاں رضّو اجّن کو بلوا کر اسکا گناہ معاف کرتی ہے جو اس نے رضّو کے دل کو دکھا کر اور عمر اُس کو تنہا کر کے کیا تھا۔ وہ کہتی ہے ''میں نے تم کو معاف کیا۔ اگر تم زاہدہ کو بھی پرسوت بنا کر کے بھی معاف کر دیتی''۔ یہ وسیع القلبی اور سنجیدگی رضّو کے کردار کو مزید باوقار بناتی ہے۔ عبداللہ حسین کی کہانی ''پھول کا بدن'' کے اہم کردار نعیم اور ثروت ہیں۔ نعیم کو ثروت سے محبت ہے لیکن وہ اس جذبہ کی گہرائی اور شدت کو سمجھنے سے قاصر ہے جبکہ ثروت اس پورے تجربے کو اپنے جسم اور روح سے گذرتا ہوا محسوس کرتی ہے۔ آخر ایک موڑ پر وہ نعیم کو محبت کے مراحل سے آگاہ کرتے ہوئے کہتی ہے۔ نعیم عورتوں میں بڑا صبر ہوتا ہے اور بڑی شرم ہوتی ہے۔ اتنی کہ میں اب تک آنکھ ملا کر تم سے بات نہیں کر سکتی تھی..... لیکن اب وہ وقت آ گیا کہ جب آدمی، عورت ہو کہ مرد، اتنا کچھ بھگت چکا ہوتا ہے کہ نہ شرم رہتی ہے نہ صبر..... میں تیس برس کی ہو چکی ہوں اور میں نے زندگی کی ساری ڈھکی چھپی شکلوں کو دیکھ لیا ہے۔ (صفحہ ۷۷، کتاب ھذا) ثروت اپنے بچپن کے محبوب کو اپنی کیفیات سے آگاہ کرنے کے بعد کچھ وقت کے لئے اپنا بدن اسکے حوالے کر دیتی ہے۔ اس طرح اسکے دل کی پیاس نکل جاتی ہے۔ محبوب کو جیتنے کے بعد پھر وہ ایک نارمل شادی شدہ عورت بن جاتی ہے۔ اس افسانہ کی آخری سطر قابل غور ہے۔ کچھ دیر بعد جب وہ دوپیر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی اور اسکا خاوند پاس بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا تو وہ کوشش کر کے مسکرائی اور بولی آج دفتر نہیں گئے؟ (صفحہ ۸۳ ھذا) صدیق عالم کی کہانی ''رات کس قدر ہے راز'' کے کردار ندیم اور فریدہ ہیں۔ ان کے تعلقات اس وقت بڑھے جب دونوں کالج میں پڑھ رہے تھے۔ بی اے کرنے کے بعد فریدہ کی شادی ہوگئی اور ندیم انجینئرنگ کی ڈگری لینے بڑے شہر پہنچ گیا۔ شادی کے بعد فریدہ کی چار لڑکیاں ہوئیں تو سسرال والوں نے جینا دوبھر کر دیا۔ ایک ملاقات کے دوران ندیم کہتا ہے ''تم ایک لڑکا پیدا کیوں نہیں کر دیتی؟ میں نے چھوٹتے ہی کہا تمہارا اور کام کیا ہے؟ 'کوشش تو کر رہی ہوں' اس نے ہنسنے کی کوشش کی۔ لکڑی کچھ اور گیلی ہوگئی تھی (کتاب ھذا صفحہ ۱۱۱) نیلم اپنے رشتے کو کس طرح سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک دوسری ملاقات کے یہ جملے دیکھیں ''اپنی بچیوں سے نہیں کہوگی کہ تمہارے ماما آئے ہیں'' میں نے اسکی چوتھی بچی کو اپنی شہادت کی انگلی دیتے ہوئے کہا جسے اس نے فوراً اپنی ننھی انگلیوں سے تھام کر چوسنا شروع کر دیا۔ کیا واقعی تم ان کے ماما ہو؟ فریدہ نے شوخی کے ساتھ کہا (صفحہ ۱۱۴، کتاب ھذا) نیلم یہاں محبوب کے ساتھ ایک بے حد ہمدرد ساتھی کے طور پر فریدہ کے درد کو کم کرنے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے فریدہ ایک لڑکے کی ماں ضرور بنتی ہے مگر اسکے لئے اسے موت سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس مجموعہ کی ہر کہانی تاثر انگیز ہے۔ ان کہانیوں کے کردار جن کیفیات سے گذرتے ہیں، اپنے قاری کو بھی ان تجربات سے آگاہ کرتے ہیں۔ صبیحہ صاحبہ نے ہر کہانی کا مختصر تجزیہ بھی کیا ہے۔ میں اس انتخاب کے لئے ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

وہ چھ آسان ذہنی مشقیں جو 80 سال کی عمر میں بھی آپ کی یادداشت کو جوان رکھیں گی

بشکریہ بی بی سی۔ 16 مارچ 2023 کیا آپ کو بھی بچپن اور نوجوانی میں دیکھی گئی اپنی پسندیدہ فلموں کے ڈائیلاگ آج بھی ازبر ہیں لیکن اب بڑھتی عمر کے ساتھ بہت شوق سے دیکھی گئی فلم میں سُنے گئے مکالمے تو دور کی بات، فلم کا نام یاد کرنے میں بھی آپ کو دشواری ہوتی ہو۔ اور کیا آپ اپنی کسی بھی میڈیسن یا فوڈ سپلیمنٹ کو ہاتھ میں لے کر گھورتے ہوئے دیر تک یہ سوچتے ہیں کہ کیا میں یہ ٹیبلٹ کھا چکا ہوں یا اس کو لینا باقی ہے؟ یا چلیں یہی بتا دیں کہ کل رات جو گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے دوران جس کتاب کو آپ پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کو آپ نے کس باب پر بند کر کے رکھا تھا جبکہ آپ تو وہی ہیں جو بچپن میں ایک بار سبق پڑھ کر اگلے دن کلاس میں فر فر ٹیچر کو زبانی سنا کر تقریباً روز ہی داد وصول کیا کرتے تھے۔ جان لیں کہ آپ بھولنے کے اس مرض میں تنہا نہیں بلکہ ہمارے اطراف ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ماہ و سال گزرنے کے ساتھ یاد رکھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے لیکن اچھی بات یہ ہے کہ اپنی یاداشت کو بہتر بنانے پر کام کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ ***

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SHARIF
JEWELLERS
Timeless Jewels, Priceless Memories

28 London Road, Morden. SM4 5BQ London
@sharifjewellers +44 7888 300 399

حق اور سچ دیکھنے کے لئے یوٹیوب چینل

9 Brothers TV International

دیکھئے 9 Brothers Tv International

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU
ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)